معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ اسی روپے — فی شمارہ سات روپے

پاکستان میں سالانہ دو سو روپے

دیگر ممالک میں سالانہ — ہوائی ڈاک بیس پونڈ یا بتیس ڈالر

بحری ڈاک سات پونڈ یا گیارہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحیی شیرستان بلڈنگ۔

بالمقابل ایس ایم کالج، اسٹریچن روڈ، کراچی

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینے کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔ کمیشن ۲۵٪ ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

معارف

جلد ۱۵۷ ماہ ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۹۶ء عدد ۴

فہرست مضامین

شذرات — ضیاء الدین اصلاحی — ۲۴۲-۲۴۴

مقالات

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی تفسیر فتح العزیز — محمد عارف عمری، رفیق دارالمصنفین — ۲۴۵-۲۷۱

مولانا احمد بن سلیمان الکرد الاحمد آبادی — ڈاکٹر زبیر قریشی، صدر شعبہ فارسی و اردو گجرات یونیورسٹی، احمد آباد۔ — ۲۷۲-۲۹۰

سلجوقی دور کا نامور قصیدہ گو شاعر ظہیر فاریابی — ڈاکٹر محمد نجم الآفاق صدیقی، شعبہ عربی و فارسی۔ الہ آباد یونیورسٹی — ۲۹۱-۳۰۲

ہر زماں ہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم — پروفیسر جگن ناتھ آزاد گورنمنٹ کوارٹرس، گاندھی نگر، جموں۔ — ۳۰۳-۳۰۸

آثار علمیہ و تاریخیہ

علامہ سید سلیمان ندوی کی ایک تحریر — ۳۰۹

مکتوب خواجہ احمد فاروقی مرحوم بنام پروفیسر اختر اقبال کمالی کراچی — ۳۱۰-۳۱۲

وفیات

مولانا عبدالصمد شرف الدین — "ض" — ۳۱۳-۳۱۴

ادبیات

اقبالؒ — جناب امین عالم راہن امروہی، سرائے کہنہ۔ امروہہ — ۳۱۵

مطبوعات جدیدہ — "ع۔ ص" — ۳۱۶-۳۲۰

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شذرات

اس سال بہت پہلے دارالمصنفین کے جلسہ انتظامیہ کی تاریخ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے ایماء سے ۲۴/ مارچ طے پا گئی تھی، جس کی اطلاع اسی وقت تمام معزز ارکان کو کر دی گئی تھی، اور پھر مارچ کے اوائل میں ضابطے کے مطابق دعوت نامے بھی بھیج دیئے گئے تھے، صدر محترم نواب مکرم جاہ بہادر اور جسٹس خواجہ محمد یوسف کلکتہ نے بہت پہلے مطلع فرما دیا تھا کہ وہ اپنی مشغولیتوں کی وجہ سے تشریف نہیں لائیں گے، لیکن اکثر ارکان شرکت کا عزم مصمم کئے ہوئے تھے، مگر عین وقت پر موانع پیش آجانے کی وجہ سے ان کی حاضری بھی نہیں ہو سکی، مجلس عاملہ کے صدر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ہر طرح کی مصروفیت و معذوری کے باوجود دارالمصنفین کے جلسوں میں ضرور تشریف لاتے تھے مگر رمضان المبارک میں پے در پے ان کے یہاں دو حادثے پیش آئے، پہلے ان کی بھتیجی جو مولانا سید محمد رابع ندوی کی اہلیہ تھیں پھر مولانا کی ہمشیرہ جو مولانا محمد رابع صاحب کی والدہ تھیں، وفات پا گئیں، یہ حادثے ہی کیا کم تھے کہ مارچ کے اوائل میں حضرت مولانا کی طبیعت اتنی خراب ہو گئی کہ ان کے لئے سفر ہی ناممکن ہو گیا، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی دارالمصنفین کے جلسوں میں بڑی پابندی اور دلچسپی سے شریک ہوتے تھے، ان پر رمضان المبارک میں قلب کا دورہ پڑا، طبیعت ذرا سنبھلی تو جلسہ میں شرکت کے لئے دہلی سے لکھنو پہنچے تاکہ مولانا کے ہمراہ اعظم گڈھ تشریف لائیں مگر مسیحا خود ہی بیمار تھا۔

اس اندوہ گیں اور ولولہ شکن موڑ پر جب چمنستان علی گڑھ سے ویرانہ اعظم گڈھ میں حبیب شبلی کے پوتے پروفیسر ریاض الرحمن خاں شروانی تشریف لائے تو کارکنان دارالمصنفین کے حوصلے بڑھ گئے اور ان کا غم مسرت میں اور مایوسی امید میں تبدیل ہو گئی اور سب نے بے اختیار ہو کر کہا اہلاً و سہلاً مرحبا خوش آمدی خوش آمدی، معلوم ہو رہا تھا کہ دارالمصنفین میں بہار اپنی ساری رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ آگئی ہے اور اس ویرانے میں ہر طرف چاندنی چھٹک گئی ہے، مہمان گرامی نے شبلی و حبیب کی اس یادگار کی ایک ایک چیز نہایت دلچسپی اور توجہ سے دیکھی اور ایک روز مولانا شبلی کی دوسری یادگار شبلی نیشنل پوسٹ گریجویٹ کالج دیکھنے بھی تشریف لے گئے اور اس کے حالات و مسائل معلوم کر کے فکر مند ہوئے، ۲۴/ مارچ کا جلسہ انتظامیہ انہی کی صدارت میں ہوا، ایک ایک مسئلہ پر پوری ہمدردی اور نہایت دلچسپی سے بحث و گفتگو فرمائی، وقت کی کمی کی وجہ سے جلسہ کی دوسری نشست بھی کرنی پڑی۔ انہوں نے پہلی بار سرزمین شبلی پر قدم رکھا تھا، ان کے دادا جان مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی ؒ، والد محترم نواب

مولوی عبید الرحمن خاں شروانی مرحوم اور خود ان کو علامہ شبلی اور دارالمصنفین سے جو غیر معمولی اور گہرا تعلق ہے اس کی بنا پر میں نے استدعا کی کہ وہ شہر کے منتخب لوگوں سے خطاب فرمائیں مگر اس وقت وہ اس کے لئے آمادہ نہیں ہوئے تاہم آئندہ مولانا شبلی کے کسی پہلو پر توسیعی خطبہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

دارالمصنفین نے اس سال تصنیف و تالیف اور کتابوں کی اشاعت کا ایک لائحہ عمل بنایا ہے، ہندوستان کے مفسرین و محدثین پر ایک ایک جلد پہلے ہی شائع ہو چکی ہے، اب ان کی مزید اور فقہائے ہند کی دو دو جلدوں کی ترتیب و تالیف کا کام انجام دیا جانا باقی ہے، جس کا آغاز ہو چکا ہے، اس سال دو نئی کتابوں کی اشاعت کے علاوہ سیرۃ النبی کی تمام جلدوں کے تصحیح اڈیشن شائع کرنے کا پروگرام بھی بنایا گیا ہے، ان جلدوں کے حوالوں کی باقاعدہ تخریج کر کے اور ان کے بعض دوسرے قسم کے نقص کو دور کر کے انہیں شائع کیا جائے گا، ہر جلد کے ساتھ اشاریے بھی شامل ہوں گے، پہلی جلد کا کام مکمل ہو چکا ہے اور وہ جلد ہی شائع ہونے والی ہے، دوسری جلد کی تصحیح و مقابلہ کا کام اور کمپیوٹر سے کتابت شروع ہو چکی ہے، غرض دارالمصنفین کی تمام تصنیفات کو اسی اہتمام سے شائع کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں مولانا شبلی کی الغزالی کی مراجعت و مقابلہ کا کام شروع کر دیا گیا ہے، توقع ہے کہ اس کا تصحیح اڈیشن بھی اسی سال شائع ہو جائے گا۔ دعا ہے کہ ان کاموں کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیں قوت و ہمت دے اور ان کے لئے ضروری سرمایہ بھی مہیا کرا دے آمین۔

عید بعد ہی سے حضرت مولانا علی میاں مدظلہ کی خدمت میں تعزیت و عیادت کے لئے حاضری کا خیال تھا مگر عوائق پیش آتے رہے، جلسہ انتظامیہ سے فراغت کے بعد ۳۰/ مارچ کو اپنے شریک کار عبد المنان ہلالی اور اکرام حسین صاحب کے ساتھ لکھنو کا سفر کیا، پہلے ہمارا قافلہ جناب ضیاء الحسن فاروقی کے یہاں پہنچا جو دلی سے آکر لکھنو میں اپنے چھوٹے صاحبزادے کے یہاں مقیم تھے ان کی کمزوری اور تکلیف دیکھ کر عرض کیا کہ آپ کو اس حالت میں سفر نہیں کرنا چاہئیے تھا لیکن ان کی قوت ارادی اور دارالمصنفین کی کشش انہیں یہاں تک کھینچ لائی تھی۔ ندوۃ العلماء پہنچے تو حضرت مولانا اور مولانا محمد رابع صاحب کو اپنے یہاں کے حوادث سے بہت متاثر پایا۔ مولانا کا ضعف و اضمحلال بڑھا ہوا تھا، بے خوابی کی شکایت بھی تھی، اللہ تعالیٰ ان کی عمر و صحت میں برکت دے۔ اعظم گڈھ میں قومی آواز نہیں آتا، معارف کے تبادلے میں بھی نہیں ملتا اس لئے لکھنو کی خبریں تاخیر سے اور ادھوری ملتی ہیں، یہاں آنے پر معلوم ہوا کہ اتر پردیش اردو اکادمی کی نئی تشکیل ہو گئی ہے اور ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی اس کے دوبارہ چیرمین

ہوگئے ہیں، انہیں مبارک باد دینے اور دار المصنفین کے ایک کام کے لئے ان کے دولت کدہ پر گیا تو وہ فوراً آمادہ ہوگئے، انہیں دار المصنفین سے بڑا تعلق ہے، ان کے والد مولانا محمد اویس نگرامی اس کے رفیق اور مجلس انتظامیہ کے رکن رہ چکے ہیں۔

پروفیسر محمد یونس نگرامی ایک متحرک و فعال شخص ہیں، قومی و ملی کاموں میں مسابقت ان کا شیوہ بن گیا ہے، وہ اردو کی خدمت کا بڑا ولولہ رکھتے ہیں جس کے لئے انہیں یہ مناسب پلیٹ فارم بھی مل گیا ہے، اردو اکادمی کے سکریٹری شاہ نواز قریشی بھی ایک صاحب علم و قلم اور اردو کے فدائی ہیں، دونوں حضرات کے تعاون سے اکادمی اور اردو کا خاطر خواہ فروغ ہوگا۔ اردو کا اصل اور بنیادی مسئلہ اس کی تعلیم کا ہے، جس سے خود اردو والے اور وہ لوگ بھی جو اردو سے ہر طرح کا فائدہ اٹھا رہے ہیں غافل ہیں، اس وقت اردو کی شاخوں اور پتیوں پر خوب چھڑکاؤ ہو رہا ہے، مگر اس کی فکر نہیں ہے کہ اس کی جڑیں سوکھ رہی ہیں، یونس صاحب نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اردو کی تعلیم کے لئے پانچ ہزار اسکول کھولیں گے، اترپردیش کے گورنر موتی لال وورا نے ان سے اس کے لئے امداد دینے کا وعدہ بھی کیا ہے، اس سے پہلے جب وہ اکادمی کے چیرمین تھے تو ۰۰۰ ۱ اسکول کھولے تھے جن کو بی جے پی حکومت نے بند کر دیا، اب انہوں نے پھر اردو تعلیم کے شبینہ اسکولوں کے قیام کو اپنا ترجیحی اقدام قرار دیا ہے، جس پر اگر عمل درآمد ہوا تو یہ اردو کی خدمت و ترقی کا ایک بنیادی کام ہوگا، انہوں نے اردو کمپیوٹر سنٹر کھولنے اور اردو اکادمی کے ملازمین کو سرکاری ملازمین کے مساوی درجہ دلانے کا تہیہ بھی کیا ہے، ان کے علاوہ بھی اردو کی خدمت کے بہت سے منصوبے ان کے پیش نظر ہیں، جن میں خدا نے چاہا تو وہ اپنے اخلاص اور جوش عمل کی بنا پر کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

اس موقع پر اترپردیش اردو اکادمی کے اس امتیاز کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اس نے سیمینار و مشاعرے کرانے، اردو مصنفین کو انعام تقسیم کرنے، ان کی کتابوں کی طبع و اشاعت کے لئے مالی امداد مہیا کرنے اور اردو خواں طلبہ کو وظائف دینے ہی تک اپنی سرگرمیاں محدود نہیں رکھی ہیں بلکہ اردو کی معیاری اور کلاسیکل کتابوں کو جو ناپید ہوتی جارہی تھیں شائع کر کے سہل الحصول بنا دیا ہے اور اب اردو تعلیم کو عام کرنے کے لئے اسکولوں کا قیام اس کا ایسا مفید اور بنیادی کام ہوگا جو اردو کی ترقی و استحکام کا ضامن ہوگا خدا کرے یہ مخلصانہ تحریک برگ و بار لائے اور اردو کو واقعی معنوں میں فروغ نصیب ہو۔

مقالات

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی تفسیر فتح العزیز

از

محمد عارف اعظمی عمری، رفیق دار المصنفین

جس زمانے میں برصغیر میں سلطنت مغلیہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، اسی زمانے میں علم و فضل اور تحقیق و اجتہاد کا وہ نیر تاباں طلوع ہوا، جس کی درخشانی سے نہ صرف سرزمین ہند بلکہ پورا عالمِ اسلام منور ہو گیا۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ولادت باسعادت ہوئی جنہوں نے اپنی مجتہدانہ علمی بصیرت سے تمام اسلامی علوم و فنون کو از سر نو تازگی بخشی اور تحقیق و جستجو کا عام مذاق پیدا کر دیا۔

شاہ صاحب نے اصول تفسیر میں مقدمہ فتح الرحمن، الفوز الکبیر اور فتح الخبیر لکھ کر فن تفسیر کے قدیم ہندوستانی طریقہ کار کو ایک وسیع افق اور خاص لائحہ عمل عطا کیا جب کہ اس سے پہلے ہندوستان کے عام علمائے تفسیر بیضاوی، مدارک اور جلالین کے مباحث کی شرح اور ان شرحوں کے حواشی لکھنے تک محدود رہا کرتے تھے۔ غرض قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کا علم نصابی کتابوں کے دائرہ تک سمٹ کر رہ گیا تھا۔ یہ شاہ صاحب ہی کا فیض ہے کہ انہوں نے قرآن فہمی کا عام ذوق پیدا کر کے اس کے فیضان کو عام کیا۔

شاہ صاحب کے نقش قدم کا اتباع ان کے فرزندان عالی مرتبت نے بھی کیا، جن

میں ان کے خلف اکبر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام نامی سر فہرست ہے، گو شاہ صاحب پر بہت لکھا گیا ہے، تاہم اس مضمون میں ان کی تفسیر پر بحث و گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مختصر حالات بھی تحریر کر دیئے جائیں۔

نام و نسب

عبدالعزیز نام اور سراج الہند لقب تھا، ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ اور جد محترم شاہ عبدالرحیم تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب کی مہر پر یہ نسب نامہ یوں ثبت تھا، ھوالعزیز الولی الرحیم (۱)

ولادت

۲۵ رمضان المبارک سنہ ۱۱۵۹ھ / ۱۰ اکتوبر ۱۷۴۶ء کو بوقت سحر پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار نے عبدالعزیز نام رکھا، "غلام حلیم" سے سن ولادت نکلتا ہے (۲)

تعلیم

والد ماجد ہی کی خدمت میں ان کی اصل تعلیم و تربیت ہوئی، البتہ بعض امہات کتب کا درس اپنے والد کے ممتاز تلامذہ سے بھی لیا جس کی تفصیل انہوں نے خود اس طرح بیان کی ہے:

باید دانست کہ ایں فقیر ایں علم و جمیع علوم را از خدمت والد ماجد خود اخذ کردہ است و بعضے کتب ایں علم را مثل مصابیح و مشکوٰۃ و مسوی شرح موطا کہ از تصانیف ایشانست و حصن حصین و شمائل ترمذی از خدمت ایشاں قراۃ و سماعا تحقیق و تفتیش اخذ نمودہ، قدرے از اوائل صحیح البخاری نیز بطریق درایت از ایشاں شنیدہ و صحیح مسلم و دیگر صحاح ستہ را بر ایشاں سماع غیر منتظم دارد نحو کہ بحضور ایشاں طلبہ میخواندند و ایں فقیر ہم حاضر می بود و تحقیقات و تنقیحات ایشاں را می شنید تا آں کہ ملکۂ معتد بہا در فہم معانی احادیث و ادراک دقائق اسانید بفضلہ تعالیٰ حاصل شد بعد ازاں بنا بر رسم اجازت از یاراں عمدہ ایشاں مثل شاہ محمد عاشق پھلتی و خواجہ محمد امین ولی اللہی نیز حاصل کردہ۔ (۱)

جاننا چاہیئے کہ اس فقیر نے اس علم (حدیث) کو اور تمام ہی علوم کو والد ماجد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا لیکن فن حدیث کی بعض کتابیں مثلاً مصابیح السنہ مشکوٰۃ، مسوی شرح موطا جو والد ماجد ہی کی ایک تصنیف ہے، حصن حصین اور شمائل ترمذی کو قراۃ و سماعا نہایت تحقیق کے ساتھ ان سے پڑھا۔ صحیح بخاری کا کچھ ابتدائی حصہ بطریق درایت سنا، صحیح مسلم اور دوسری صحاح ستہ کی باضابطہ سماعت تو نہ کر سکا، البتہ جب طلبہ ان کتابوں کو ان سے پڑھتے تھے تو میں بھی اس مجلس میں حاضر رہا کرتا تھا، اور حضرت والد کی تحقیقات تنقیحات کو ان سے سنتا تھا، اس طرح حدیث کے معنی اور اسناد کی باریکیوں کو سمجھنے کا قابل اعتماد ملکہ بفضلہ سبحانہ پیدا ہو گیا، بعد ازاں رسما روایت کی اجازت حضرت والد کے ممتاز اصحاب شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ محمد امین ولی اللہی سے حاصل کی۔

(۱) مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے کچھ غیر مطبوعہ فتاویٰ اور ایک دستاویز، معارف جون ۱۹۰۹ء، ص ۳۲۶۔ (۲) مولانا محمد رحیم بخش دہلوی حیات ولی مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۵۸۶۔

والد ماجد کی وفات اور امراض کا ہجوم

شاہ عبدالعزیز صاحب جب سترہ سال کے ہوئے تو ان کے پدر بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات ہوئی (۲) پچیس برس کی نوعمری ہی میں وہ متعدد موذی امراض کے شکار ہو گئے اور آخر عمر تک اس میں گرفتار رہے، صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے:

وقد عترته الامراض المؤلمة وهو ابن خمس وعشرين سنة فادت الى المراق والجذام والبرص والعمى حتى عد منها اربعة عشر مرضا مفجعا (۳)

پچیس برس کی نوعمری ہی میں ان پر متعدد موذی بیماریوں کا حملہ ہوا جس کے نتیجہ میں ان کو مراق، جذام اور برص ہو گیا اور بصارت بھی جاتی رہی، غرض چودہ قسم کے موذی مرض میں وہ مبتلا تھے۔

(۱) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، عجالہ نافعہ، کراچی، ۱۹۶۴ء، ص ۱۸-۱۷ (۲) مرزا محمد بیگ دہلوی، دیباچہ فتاویٰ عزیزیہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ، ص ۴ (۳) مولانا عبدالحی، نزہۃ الخواطر جلد ۷، ص ۲۷۰۔

درس و تدریس

اوائل عمری میں کثرت امراض کے باوجود شاہ صاحب نے مدۃ العمر درس و افادہ کا بازار گرم رکھا، اور اپنے والد کے جانشین مقرر ہوئے، بیماریوں سے نڈھال ہو کر مدرسہ کی ذمہ داری اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر کے سپرد کر دی مگر خود بھی اس سے وابستہ رہے، صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے:

ومن ذلک السبب فوض تولیة التدریس فی مدرسته الی صنویه رفیع الدین و عبدالقادر ومع ذلک کان یدرس بنفسه النفیسة ایضا ویصنف ویفتی ویعظ (۱)

(بیماریوں) کے سبب سے اپنے مدرسہ میں درس و تدریس کا باضابطہ مشغلہ اپنے دونوں بھائیوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر کے سپرد کر دیا، مگر خود بھی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و افتاء میں مشغول رہتے تھے۔

طلبہ کے علاوہ عوام الناس کے افادہ کے لئے ہفتہ میں دو مرتبہ سہ شنبہ اور جمعہ کو درسگاہ میں مجلس وعظ منعقد فرماتے تھے، جس میں بے شمار شائقین شریک ہوتے تھے (۲)۔

شاہ عبد العزیز صاحب کو قرآن مجید کے درس سے خاص شغف تھا، ان کے نواسے اسحاق بن افضل روزانہ ایک رکوع قرآن مجید ان کی مجلس میں تلاوت کرتے تھے، جس کی تفسیر شاہ صاحب بیان کرتے تھے، درس قرآن کا یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ صاحب سے چلا آرہا تھا، مقالات طریقت کی روایت کے مطابق شاہ ولی اللہ کا آخری درس سورہ مائدہ کی آیت " اعدلوا ھو اقرب للتقوی " پر تھا، وہیں سے شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنا درس شروع کیا اس کا اختتام سورہ حجرات کی آیت " ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم " پر ہوا، ان کی وفات کے بعد اس سلسلہ کو ان کے نواسے اسحاق بن افضل نے مکمل کیا (۳)۔

غرض شاہ عبد العزیز صاحب کے حلقہ درس سے بے شمار فضلاء پیدا ہوئے اور ملک

(۱) مولانا عبد الحی حسنی، حوالہ سابق، صفحہ ۲۷۰ (۲) غلام رسول مہر، ادارہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱، صفحہ ۶۳۵ (۳) مولانا عبد الحی، حوالہ سابق صفحہ ۲۶۹۔

ے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔

وفات

شاہ صاحب کو اپنے تمام بھائیوں کے مقابلہ میں لمبی عمر نصیب ہوئی، اسی برس کی عمر میں ۹/ شوال ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء کو یکشنبہ کے روز وفات پائی، مختلف شعراء نے تاریخ وفات کہی جن میں حکیم مومن خاں دہلوی کا قطعہ تاریخ فن کی ایک نادر مثال ہے (۱)

فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل — دست بیداد اجل سے بے سرو پا ہو گئے

ق ی ض ن ط ر ل م

۱۲۳۹ھ

حلیہ

تذکرہ نگاروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا قد لمبا جسم کمزور رنگ گندمی، آنکھیں نیلگوں اور داڑھی خوب گھنی تھی۔

اولاد

شاہ صاحب کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، صرف تین بچیاں تھیں جو سب صاحب اولاد تھیں، لیکن شاہ صاحب کی زندگی ہی میں انتقال کر گئیں، بڑی صاحبزادی شاہ صاحب کے برادر خورد شاہ رفیع الدین صاحب کے فرزند مولوی محمد عیسیٰ سے منسوب تھیں، اور منجھلی شیخ محمد افضل کے نکاح میں تھیں، جن کے بطن سے مولانا محمد اسحاق صاحب تولد ہوئے جو بعد میں شاہ صاحب کے جانشین قرار پائے اور تیسری صاحبزادی مولوی عبد الحی صاحب کے عقد نکاح میں تھیں۔ جن کو حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی معیت و رفاقت کا شرف حاصل ہوا (۲)۔

اخلاق و عادات

شاہ عبد العزیز صاحب تسلیم و رضا اور صبر و شکر کے مجسم پیکر تھے، اوائل عمری سے وہ مختلف امراض و علل میں مبتلا ہو گئے تھے، مگر اس کے باوجود طلبہ کی تعلیم و تربیت میں برابر مشغول رہے، ان کی زندگی میں ان کے تینوں برادران خورد فوت ہوئے جن کی تعلیم و تربیت خود شاہ صاحب کے ہاتھوں انجام پائی تھی،

(۱) مرزا محمد بیگ دہلوی، حوالہ سابق صفحہ ۱۰ (۲) مولانا محمد رحیم بخش دہلوی، حوالہ سابق، صفحہ ۶۱۵ - ۶۱۷۔

ان کا غم ہی کیا کم تھا، کہ اس پر مزید ان کی تینوں صاحبزادیاں ان کے سامنے سپرد خاک کی گئیں، مگر ان تمام حوادث کے باوجود شاہ صاحب نے طلبہ و عوام کے افادہ کا سلسلہ مستقل جاری رکھا اور نہایت بشاشت اور وسیع القلبی کے ساتھ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی میں مدۃ العمر مشغول رہے۔

تصنیفات

شاہ عبدالعزیز صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، امراض کی شدت اور آنکھوں کی بصارت زائل ہو جانے کے سبب بعض کتابوں کو انھوں نے املاء کرایا ہے (۱) ان کی اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ تحفہ اثنا عشریہ: فارسی زبان میں رد شیعیت میں بے مثال کتاب ہے، جس کو غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس کا عربی زبان میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ بستان المحدثین: محدثین کے حالات کا ایک جامع مجموعہ ہے، فارسی میں ہے اور متداول ہے، اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۳۔ العجالۃ النافعۃ: فن حدیث کے متعلقات پر ایک اہم رسالہ ہے، یہ بھی فارسی میں ہے، اور اس کا بھی اردو ترجمہ مع تعلیقات و حواشی چھپ چکا ہے۔

۴۔ فتاویٰ: شاہ صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ اہل علم میں کافی مقبول اور متداول ہے، اس کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

۵۔ تفسیر فتح العزیز: یہ ان کی مشہور تفسیری تصنیف ہے، جس کی صرف تین جلدیں ایک اوّل کی اور دو آخر کی ملتی ہیں، یہ بھی فارسی میں ہے۔

ان کے علاوہ بلاغت، کلام، منطق اور فلسفہ کے موضوعات پر بھی شاہ صاحب نے متعدد رسالے اور حاشیے فارسی اور عربی زبان میں لکھے (۲)

تفسیر فتح العزیز

یہ تفسیر نامکمل صورت میں پائی جاتی ہے، سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی

(۱) مولانا عبدالحئی، حوالہ سابق، ص ۲۷۳ (۲) ایضاً ص ۲۷۳۔ ۲۷۳۔

ابتدائی ایک سو چوراسی آیتوں کی تفسیر پہلی جلد میں ہے اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر علحدہ علحدہ جلدوں میں ہیں، اور یہ جلدیں متعدد بار شائع ہو چکی ہیں۔

تفسیر کے مقدمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب کے کوئی شاگرد شیخ مصدق الدین عبداللہ تھے، جن کی تحریک پر یہ تفسیر لکھی گئی، اور ان ہی کو شاہ صاحب نے اس کا املاء کرایا تھا، اور یہ سلسلہ ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۳ء میں مکمل ہوا (۱)

تفسیر فتح العزیز کی عدم تکمیل کی بحث

عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ شاہ صاحب کی تفسیر نامکمل رہ گئی تھی، اور اس کا جس قدر حصہ طبع ہوا ہے، وہی لکھا گیا تھا، لیکن صاحب نزھۃ الخواطر کا بیان ہے کہ یہ تفسیر کئی ضخیم جلدوں میں تھی جس کا بیشتر حصہ ضائع ہوگیا، وہ لکھتے ہیں:

وھو فی مجلدات کبار..... ضاع معظمھا فی ثورۃ الھند وما بقی منھا الا مجلدان من اولہ و آخرہ (۲)

یہ تفسیر کئی ضخیم جلدوں میں تھی..... جس کا زیادہ تر حصہ ہندوستان کے غدر میں تلف ہو گیا اور صرف اوّل و آخر کی دو جلدیں باقی بچیں۔

ہمارے اس دور میں شاہ صاحب پر تحقیقی کام کرنے کی سعادت ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ کے موجودہ سربراہ ڈاکٹر عضد الدین خاں کو نصیب ہوئی ہے، انھوں نے بھی اپنے مقالہ میں صاحب نزھۃ الخواطر کے خیال کی تائید کی ہے، انھوں نے اس کے ثبوت میں فتاویٰ عزیزی سے متعدد اقتباسات بھی پیش کئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

"شاہ عبدالعزیز صاحب نے جیسا کہ مقدمہ سے ظاہر ہے غالباً پہلے سورہ فاتحہ اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر شیخ مصدق الدین کو املاء کرائی، مگر بعد میں لوگوں کے اصرار پر یہ خیال ہوا ہوگا کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جائے چنانچہ انھوں نے سورہ بقرہ سے اس کو شروع کیا، اور اٹھائیسویں پارہ کے آخر تک پوری تفسیر لکھوادی، پھر مختلف عوارض

(۱) شاہ عبدالعزیز صاحب، تفسیر فتح العزیز، مطبع حیدری بمبئی، ۱۲۹۴ھ، جلد اوّل صفحہ ۳ (۲) مولانا عبدالحئی، حوالہ سابق، صفحہ ۲۷۳۔

نے اس کام پر نظر ثانی کرنے اور اس کو آخری شکل دینے کی مہلت نہ دی اور معاملہ آج کل پر ٹلتا رہا، مگر تفسیر کا پہلا مسودہ تیار ہو چکا تھا اس لئے اپنے خطوط میں اپنے احباب کو اس کا حوالہ دیتے رہے، جیسا کہ فتاوی کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ رفیع الدین مرادآبادی نے بھی یہی لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے تفسیر لکھی مگر مسودہ بیاض تک نہیں پہنچا، یعنی آخری شکل میں نہیں آیا، مگر مسودہ پورا ہو چکا تھا، اس لئے شاہ صاحب اس کے اقتباسات اپنے احباب کو عندالضرورت لکھ دیتے تھے، لیکن مسودہ آخری شکل میں نہیں آیا تھا، اس لئے سب لوگوں تک یہ کتاب نہیں پہنچ سکی، اور اس کی مختلف کاپیاں نہ ہو سکیں، غالبا شاہ صاحب کا خیال رہا ہوگا کہ اگر طبیعت سنبھل گئی تو اس پر نظر ثانی کرکے آخری شکل دے دیں گے، مگر اس کا موقع نہ مل سکا اور یہ مسودہ آخری وقت تک اسی شکل میں پڑا رہا، اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہوسکا، اسی لئے اکثر تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف چند لوگوں ہی کو اس کا علم تھا، اسی دوران میں غالبا یہ بھی ہوا کہ شاہ صاحب کی وفات اور پھر شاہ اسحاق صاحب اور شاہ محمد یعقوب صاحب کی ہجرت کے بعد اصل مسودہ کسی طرح ضائع ہو گیا، اور اس کا صرف اتنا ہی حصہ مل سکا جو آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے" (۱)

ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ کے ایک اور استاد اور سابق سربراہ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے بھی ہندوستان کے مفسرین اور ان کی عربی تفسیروں پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا ہے، ان کی تحقیق میں بھی یہی خیال درست ہے، وہ شیخ رفیع الدین مرادآبادی کی تصنیف "افادات عزیزیہ" کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"تفسیر فتح العزیز جسے عام طور پر نامکمل ہی سمجھا جاتا ہے، بکمل ضرور ہو گئی تھی، اس لئے کہ (افادات عزیزیہ) میں جا بجا اس قسم کے حوالے ملتے ہیں، من فتح العزیز

(۱) دیکھئے معارف، ستمبر ۱۹۶۷ء، ص ۲۳۲،۲۳۱۔

فی سورۃ النمل یا ایضا من تفسیر سورۃ النساء یا من تفسیر فتح العزیز تحت قولہ تعالی فی سورۃ المؤمنین وغیرہ" (۱)

راقم کے خیال میں یہ بات محل نظر اور محتاج تحقیق ہے کہ فتح العزیز کی جلدیں غدر میں تلف ہو گئیں کیوں کہ اس تفسیر کی اشاعت غدر (۱۸۵۷ء) سے کافی پہلے شاہ عبدالعزیز صاحب کے انتقال کے محض دس سال بعد ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء میں کلکتہ سے ہو چکی تھی، اس ایڈیشن کے آخری دو اجزاء جو ایک جلد میں ہیں اور انتیسویں اور تیسویں پارہ کی تفسیر پر مشتمل ہیں کتب خانہ دارالمصنفین میں موجود ہیں، تیسویں پارہ کی تفسیر کے آخری صفحات غائب ہیں، مگر انتیسویں پارہ کی تفسیر مکمل محفوظ ہے جس کے آخر میں ترقیمہ بھی ہے، جس سے سن اشاعت کی واقفیت کے ساتھ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تیسویں پارہ کی تفسیر اس سے پہلے طبع ہو چکی تھی، ترقیمہ کی عبارت یوں ہے:

بعد طبع تفسیر سپارہ سی ام عم یتساءلون مسمی بفتح العزیز سپارہ بست و نہم تبارک الذی از تفسیر موصوف بتاریخ غرہ شہر ذی قعدہ ۱۲۴۸ھ از فضل حق سبحانہ و تعالی بطفیل جناب سید الانبیاء شافع روز جزاء و ائمہ ہدیٰ و خلفای مقتدیٰ صلی اللہ وسلام علیہ در مطبع احمدی واقع شہر چہرہ متعلقہ ضلع ہوگلی بہ تصحیح ایں ذرہ بے مقدار بل لاشیٔ فی الاعتبار اعنی خیر خواہ خلق اللہ خاکسار عبداللہ ولد سید بہادر علی مرحوم بطبع رسید ....." (۲)

تیسویں پارہ یعنی عم یتساءلون کی تفسیر بنام فتح العزیز کی طباعت کے بعد انتیسویں پارہ تبارک الذی کی تفسیر کی اشاعت ماہ ذی قعدہ ۱۲۴۸ھ میں بفضلہ سبحانہ سید الانبیاء شافع روز جزاء.......... کے طفیل میں شہر چہرہ متعلقہ ضلع ہگلی کے مطبع احمدی میں ناچیز عبداللہ ولد سید بہادر علی مرحوم کی تصحیح سے ہوئی۔

(۱) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، ہندوستان مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۲۵۵ (۲) تفسیر فتح العزیز، مطبوعہ ہگلی، پارہ ۲۹، ص ۳۲۶۔

فتاویٰ عزیزی اور افادات عزیزیہ کے اقتباسات سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں فتح العزیز کے غیر مطبوعہ مسودات کے حوالے دیے ہیں، مگر فتاویٰ کی ایک عبارت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ مسودات خود شاہ صاحب کی دسترس سے باہر تھے، وہ لکھتے ہیں:

واین فقیر در تحت آیت " اولئک یؤتون اجرھم مرتین " (سورہ قصص) تحقیق نفیس نوشتہ کہ این وقت نقل آں بسبب دور افتادن مسودات متعذر است (۱)

اس فقیر نے سورہ قصص کی آیت "اولئک یؤتون اجرھم مرتین" کے ذیل میں عمدہ تحقیق لکھی ہے مگر اس وقت مسودات کے دور افتادہ ہونے کے باعث اس کو نقل کرنے سے معذوری ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ مسودات آخر کہاں تھے، جہاں تک خود شاہ صاحب کی رسائی ممکن نہ تھی؟ تفسیر فتح العزیز کے مقدمہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا تو صحیح ہے کہ شاہ صاحب نے پہلے سورہ فاتحہ اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر شیخ مصدق الدین کو املاء کرائی اور بعد میں لوگوں کے اصرار پر سورہ بقرہ کی تفسیر شروع کی، مگر یہ کہنا کہ شاہ صاحب نے اٹھائیسویں پارہ کے آخر تک پوری تفسیر لکھوادی محل نظر ہے، کیوں کہ مقدمہ میں سورہ بقرہ کے آغاز کا ذکر تو ملتا ہے مگر اسی میں آگے چل کر شاہ صاحب کے دعائیہ الفاظ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس وقت تک بہرحال تفسیر مکمل نہیں ہوئی تھی، دعا کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وانا ایضا اسئل من فضلہ ان یوفقنی لاتمامہ کما وفقنی لختامہ (۲)

اور میں بھی اللہ تعالیٰ کا فضل چاہتا ہوں کہ مجھ کو اس کام کے مکمل کرنے کی توفیق عنایت کرے جس طرح اس کے خاتمہ کی سعادت بخشی۔

علاوہ ازیں تفسیر فتح العزیز کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب نے گو اپنی تفسیر کو مکمل نہیں کیا تھا مگر وہ اس کے آرزو مند ضرور تھے، سورہ بقرہ میں حضرت موسیٰ

(۱) فتاویٰ عزیزی، جلد دوم، صفحہ ۲۲ (۲) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، بمبئی، صفحہ ۳۔

کے تفصیلی ذکر کے درمیان لکھتے ہیں:

حزقیل کہ از جملہ قبطیان بشرف ایمان مشرف شدہ بود و حال او در سورہ حم المومن انشاء اللہ مذکور خواہد شد (۱)

حزقیل جو قبطیوں کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے، مشرف بہ ایمان ہوگئے تھے، اور ان کا حال انشاء اللہ سورہ مومن میں بیان ہوگا۔

شاہ صاحب کی تحریروں میں تفسیر کے غیر موجود حصوں کے حوالے سے یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہئیے کہ وہ حصہ ضبط تحریر میں آہی چکا تھا، کیونکہ مصنفین کا عام دستور یہ ہے کہ وہ آئندہ جو کچھ لکھنے والے ہوتے ہیں، ان کا حوالہ پہلے ہی دے دیتے ہیں، مگر پھر عمر کے وفا نہ کرنے یا کسی اور مانع کے سبب وہ حصہ لکھنے سے رہ جاتا ہے، اس کی مثالیں اکثر قدیم اور بڑے مصنفین کے یہاں ملتی ہیں۔

ہمارے خیال میں تفسیر فتح العزیز کا محض اسی قدر حصہ یکجا اور محفوظ ملا ہوگا جس کو شاہ صاحب نے شیخ مصدق الدین کو املاء کرایا تھا، اور یہی حصہ مطبوعہ صورت میں موجود ہے، اس کے علاوہ بقیہ حصوں کے بارہ میں یہ گمان ہوتا ہے کہ غالبا ان کو شاہ صاحب نے اپنے دوسرے تلامذہ کو املاء کرایا ہوگا، جو انہی کے ساتھ ادھر ادھر ہوگئے ہوں، اہل علم کے ساتھ ایسے واقعات گذر چکے ہیں، شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ کی کتاب "آداب المریدین" کا ترجمہ خواجہ گیسو درازؒ نے دو تین مرتبہ اپنے ارادت مندوں کی خواہش پر کیا، جن کو ان لوگوں نے اپنے پاس رکھ لیا، اور خواجہ گیسو درازؒ کے پاس اس کی کوئی نقل نہیں بچی، چنانچہ انہوں نے چوتھی مرتبہ اس کتاب کی مفصل شرح لکھی، جو "شرح آداب المریدین" کے نام سے مشہور ہے۔ (۲) اسی طرح کا واقعہ اگر فتح العزیز کے مسودات کے ساتھ بھی پیش آیا ہو تو بعید از قیاس نہیں ہے۔

تکملہ تفسیر فتح العزیز | تفسیر فتح العزیز کے ناقص رہ جانے کا احساس اہل علم کو شروع

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، صفحہ ۲۹۴ (۲) خواجہ گیسو درازؒ، شرح آداب المریدین، انتظامی پریس، دکن ۱۹۳۹ء، صفحہ ۳۔

ہی سے رہا ہے، مقالات طریقت کی روایت کے مطابق نواب سکندر بیگم والیہ بھوپال کو اس کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ انہوں نے اس اہم کام کے لئے شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک شاگرد (۱) مولوی حیدر علی کو مامور کیا، جنہوں نے علحدہ علحدہ پاروں کی صورت میں ستائیس جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا (۲) چونکہ تفسیر فتح العزیز کی اشاعت علحدہ علحدہ پاروں کی صورت میں ہوئی تھی، اسی لئے غالباً تکملہ میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا گیا، مگر اس کی صرف چار جلدیں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں (۳)، ان کے علاوہ بقیہ جلدوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔

تفسیر فتح العزیز کی نمایاں خصوصیات

شیخ رفیع الدین مرادابادی نے تفسیر فتح العزیز کی اہم خصوصیات یہ گنائی ہیں:

۱۔ ہر سورت کا عنوان اور اجمالاً مضمون سورت کا بیان۔ ۲۔ ربط آیات ۳۔ نظائر قرآن کا ذکر۔ ۴۔ قصص و احکام کے اسرار کا بیان۔ ۵۔ لطائف نظم قرآن۔ (۴)

واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر گو نامکمل ہے مگر اس میں یہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، ذیل میں اسی ترتیب کے موافق بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

سورتوں کے عنوان اور اجمالی مضمون کی وضاحت

سورہ بقرہ کی تلخیص شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل پانچ نکات میں کی ہے۔

۱۔ اثبات وجود صانع ۲۔ اثبات نبوت ۳۔ ثبوت استقامت ۴۔ ثبوت مجاہدہ ۵۔ اثبات معاد۔

ان کی تشریح کے بعد وہ لکھتے ہیں:

و ہمیں پنجم است کہ خلاصہ مطالب ایں سورہ است و باقی امور متممات و مقدمات ایں امور پنجگانہ اند (۱)

یہی پانچ نکتے اس سورہ کے مطالب کا خلاصہ ہیں۔ اور بقیہ چیزیں انہی کے متممات و مقدمات ہیں۔

(۱) مولانا عبدالحیٔ، حوالہ سابق، صفحہ ۱۵۴-۱۵۵ (۲) معارف ستمبر ۱۹۶۵ء، صفحہ ۱۹۴ (۳) مجموعہ مقالات خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری "قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں" پٹنہ، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۲۰۴۔ (۴) بحوالہ ہندوستانی مفسرین، صفحہ ۲۵۵۔

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے قرآن مجید میں سورہ بقرہ کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہوئے اس سورہ کے بنیادی موضوع کی بھی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

باید دانست کہ در مسند امام احمد و دیگر کتب معتبرہ حدیث وارد شدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند کہ سورہ بقرہ بمنزلہ کوہان قرآن است ...... و ازیں حدیث معلوم می شود کہ آیت الکرسی بمنزلہ دل ایں سورہ است و فی الواقع بعد از تامل و امعان نظر دریافتہ شود کہ جمیع مطالب ایں سورہ گرداگرد ہمیں آیت دوراں می کنند آنچہ بمنزلہ جان است لفظ الحی القیوم است کہ در آیت الکرسی واقع است و جمیع آیات سورہ شیون ومظاہر ایں کلمہ اند چنانچہ جمیع اعضای انسان مظاہر و شیون جان پاک اند (۲)۔

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مسند احمد اور دوسری حدیث کی معتبر کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ قرآن مجید میں سورہ بقرہ کی حیثیت کوہان کی ہے...... اور اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ کا دل آیت الکرسی ہے اور فی الحقیقت غور و تدبر کے بعد یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس سورہ کے تمام مضامین آیت الکرسی کے ارد گرد گردش کرتے نظر آتے ہیں اور آیت الکرسی میں بھی لفظ الحی القیوم کو جان کا مرتبہ حاصل ہے اور پوری سورہ اسی کلمہ کا مظہر ہے، جس طرح انسان کے تمام اعضاء و جوارح جان کے مظہر ہوا کرتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے حیات و قیومیت کے مرکزی عنوان کے تحت پوری سورہ کے مضامین کا تجزیہ کیا ہے، اور یہ حصہ خاص اہمیت کا حامل ہے، جس کا اندازہ خود شاہ صاحب کے اس جملہ سے ہوتا ہے:

"بطریق نمونہ چیزے نوشتن ضرور است بغور باید شنید" (۳)

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، صفحہ ۸، ۹، (۲) ایضاً، صفحہ ۷۹۔ (۳) ایضاً صفحہ ۸۰۔

ذیل میں شاہ صاحب کی اس بحث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

"یہ عالم آب و گل اللہ تعالیٰ کی حیات و قیومیت کے رنگ برنگ مظاہر کا جلوہ ہے۔
اس کو ابتدائے سورہ میں عام انسانی افراد کے ضمن میں یوں بیان فرمایا "کنتم امواتا فاحیاکم" (۲/۲۸) پھر انسانوں کی اجتماعی صورت میں اس احسان عظیم کو ابوالآباء حضرت آدمؑ کی خلقت اور منصب خلافت پر ان کی سرفرازی کے ذریعہ یوں تعبیر فرمایا" واذقال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة" (۲/۳۰) اس کے بعد خاندان کی حیات و قیومیت کا ذکر کیا، اور اس کے لئے بطور مثال ایسے خاندان کا انتخاب کیا جو نزول قرآن مجید کے وقت اپنی عظمت و وجاہت میں ممتاز ترین خاندان تھا، یعنی خاندان بنی اسرائیل، اور تقریبا پہلے پورے پارہ میں اسی خاندان کا مفصل تذکرہ ہے، اور اس کی تفصیلات میں بھی حیات و قیومیت کا خاص اہتمام ہے، پہلے تو واقعہ فرعون کا ذکر ہے، جس نے اس خاندان کی جسمانی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہا تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو حیات و قیومیت عطا ہوئی، پھر اس خاندان کو روحانی زندگی عطا کئے جانے کا تذکرہ تورات دئے جانے کی صورت میں ہوا جب کہ اس خاندان کے ناسمجھ لوگ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو کر اپنی روحانی زندگی کا خاتمہ کر چکے تھے، پھر ایک ایسی جماعت کا تذکرہ ہوا جس نے "حتی نری اللہ جھرة" (۲/۵۵) کا مطالبہ کر کے اپنی تباہی کا سامان کر لیا، مگر حضرت موسیٰ کی دعا سے اس کو زندگی عطا ہوئی، اس کے بعد وادی تیہ کا ذکر ہے، جہاں اس خاندان کو اپنا وجود برقرار رکھنا بظاہر مشکل تھا، مگر رحمت خداوندی نے ابر کے سایہ سے اور من و سلویٰ کی نعمت نازل کر کے غیب سے حیات و قیومیت کا سامان فراہم کیا، آخر کار اس خاندان کے لوگوں نے معاصی کا ارتکاب کر کے جب اپنی زندگی کو معرض خطر میں ڈال لیا، تو اللہ نے مسخ کے ذریعہ ان سے حیات طیبہ چھین لی، اور اس واقعہ کو دوسروں کی عبرت کے لئے بیان کیا، تاکہ پھر کوئی خاندان اس نوع کے

معاصی کا مرتکب ہو کر اپنی حیات و قیومیت کا خاتمہ نہ کر لے، قصہ بقرہ میں بھی اس خاندان کی قساوت قلبی، نفاق پروری اور عہد و میثاق کی خلاف ورزی کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا کہ یہ ساری چیزیں ہلاکت و بربادی کی موجب تھیں، مگر عنایت الٰہی نے ان کو تباہی سے بچایا، واقعہ ہاروت و ماروت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ سحر اور دوسرے مبنی بر کفر اشغال روحانی حیات کے منافی ہیں، اس کے بعد آیت " واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات " (۲/۱۲۴) سے دوسرے سربرآوردہ خاندان بنو اسمٰعیل کا تذکرہ شروع ہوا، جس میں سب سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر اور سرزمین مکہ کا ذکر اور خانہ کعبہ کی تقدیس و عظمت کا بیان ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ خاندان بنو اسمٰعیل کی حیات و بقاء کا انحصار بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور عبادت الٰہی میں ہے۔

ان دو خاندانوں کے تذکرہ کے بعد بعض ایسے امور کا بیان ہوا ہے جو بظاہر حیات و بقاء کے منافی ہیں، مگر حیات و قیومیت کا تعلق انہی سے ہے، ان میں پہلی چیز شہادت فی سبیل اللہ ہے کہ فرمایا " ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون " (۲/۱۵۴) چنانچہ شہادت کو بہترین زندگی سے تعبیر فرمایا، اسی طرح حکم قصاص ہے،" ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب " (۲/۱۷۹) کہ بظاہر قاتل کی زندگی کا خاتمہ دکھائی دیتا ہے، مگر یہ درحقیقت ایک عالم کی زندگی کا سامان ہے، حیات روح انسان کو روزہ کی حالت میں بھوکے اور پیاسے رہ کر حاصل ہوتی ہے، حیات دین کا حصول اعداء اللہ سے جہاد و قتال کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، حیات ملت جس کا مظہر شعائر حج ہے، انفرادی حیات کے حصول و بقاء کے لئے نکاح و طلاق اور حیض وغیرہ کے احکام بیان کئے گئے، حیات مال کا ذکر میت کی وصیت کو بلا تبدل و تغیر نافذ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

ان امور سے فراغت کے بعد بعض ایسے واقعات کا بیان ہوا ہے جن میں غیب سے حیات و قیومیت کے انتظام کا ذکر ہے، اور یہ واقعات کلمہ الحی القیوم سے

پہلے بھی آئے ہیں، اور اس کے بعد بھی تاکہ اس کلمہ کی اہمیت کا ادراک ممکن ہو سکے۔ قبل آیت دو واقعے ذکر کئے گئے۔ ۱۔ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی اجتماعی موت پھر حضرت حزقیلؑ کی دعا سے ان کا دوبارہ زندہ ہو جانا۔ ۲۔ واقعہ حضرت شموئیلؑ و طالوت جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ خاندان بنی اسرائیل کے زوال کے بعد ان دونوں کے ہاتھوں اس خاندان کو حیات نو ملی، اور حضرت داؤدؑ کے ذریعہ جب ان کو تابوت سکینہ حاصل ہوا تو ان کی قیومیت پوری طرح جلوہ گر ہوئی۔

آیت کے نزول کے بعد کے واقعات متعدد ہیں۔ ۱۔ قصہ نمرود جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنی ناسمجھی سے حیات و موت کا مصدر خود کو سمجھ لیا تھا۔ ۲۔ واقعہ حضرت عزیرؑ، جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک ویران آبادی کی از سر نو زندگی ان کو مستبعد معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے خود ان پر اور ان کی سواری پر اس عمل کو دہرا کر ان کو شرح صدر بخشا۔ ۳۔ واقعہ حضرت ابراہیمؑ، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مردوں کے دوبارہ زندہ کئے جانے پر ان کو جب استعجاب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سر و بدن کٹے پرندوں میں جان ڈال کر ان کے اطمینانِ قلب کا سامان فراہم کیا۔ یہ سلسلہ آیت "مثل الذین ینفقون اموالھم..." (۲/۲۶۱) سے پہلے تک بیان ہوا ہے۔

اس کے بعد مال کے حیات و قیام کا بیان شروع ہوا ہے، جس میں سب سے پہلے اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس کے اضافہ و استحکام کا بظاہر ربوا سے رشتہ نظر آتا ہے، مگر درحقیقت یہ اس کا اتلاف ہے، اس کے برعکس انفاق و صدقہ اس کے بقاء و استحکام کا ضامن ہے؛ پھر مال کی قیومیت و بقاء کے متعدد اصول بیع، قرض وغیرہ کے احکام بیان ہوئے ہیں، اور اسی پر سورہ کے سلسلہ مضامین کا اختتام ہوا ہے۔"

سورہ کے مرکزی خیال کی وضاحت کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:

پس معلوم شد کہ مطالب ایں سورہ ہمہ شرح و بسط حیّ و قیوم اند و ایں کلمہ بمنزلہ جان ایں سورہ است و آیت الکرسی بمثابہ قلب ایں سورہ و تمام ایں سورہ بمنزلہ اعضاء و جوارح، واللہ اعلم (۱)

پس معلوم ہوا کہ اس سورہ کے تمام ہی مضامین حیّ و قیوم کی شرح و تفصیل ہیں، اور یہ کلمہ اس سورہ کی جان کا درجہ رکھتا ہے، اور آیت الکرسی کی حیثیت دل کی ہے، اور باقی سورہ اعضاء و جوارح کے درجہ میں ہیں۔

ربط آیات و سور

شیخ رفیع الدین مراد آبادی نے تفسیر فتح العزیز کی دوسری خصوصیت ربط آیات کو بتایا ہے، تفسیر فتح العزیز کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہاں اس کا خاص اہتمام تھا، آیتوں کے ربط کے ساتھ ساتھ سورتوں کے درمیان بھی ربط و مناسبت کے قائل تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے توقیفی ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ یعنی سورتوں کی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ہوئی ہے یا یہ صحابہؓ کے اجتہاد سے انجام پائی ہے جنہوں نے اپنی فہم سے اس کو ترتیب دیا ہے، ان دونوں صورتوں میں سورتوں کا ربط ضروری ہے۔ کیوں کہ اگر یہ ترتیب توقیفی ہے اور شارعؑ کے حکم کے بموجب عمل میں آئی ہے، تو اس کی حکمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ حکیم و دانا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا ہے، اور اگر یہ بات ہے کہ صحابہؓ نے اپنے اجتہاد سے اس کو ترتیب دیا ہے، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے کس مناسبت سے ایک سورہ کو دوسری سورہ کے بعد رکھا ہے، اور اگر اس کو محض یوں ہی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات بے بنیاد ہوگی کیونکہ صحابہؓ کی زندگی بھی حکمت سے خالی نہ تھی اور اس سے دین میں ایک لاطائل کام کے اضافہ کی بات لازم آئیگی جو صحیح نہیں ہے" (۲)

شاہ صاحب نے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے درمیان ربط کی ایسی دلنشیں وضاحت کی

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، ص ۸۰ تا ۸۲۔ (۲) ایضاً، ص ۸۶۔

ہے جس سے ربط آیات اور ربط سور دونوں ہی کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

سورہ فاتحہ بر سبیل اجمال متضمن جمیع معانی قرآن است و سورہ بقرہ ابتدائے تفصیل آں و نیز در سورہ فاتحہ بآیت "اھدنا الصراط المستقیم" (۱/۶) بندہ را طلب ہدایت تعلیم نمودہ اند و در سورہ بقرہ بآیت "ھدی للمتقین" (۲/۲) تا "اولئک علی ھدی من ربھم" (۲/۵) بیان فرمودہ اند کہ دولت ہدایت کرا میسر شدہ و ایں نعمت کہ یافت و ایں سعادت کہ دریافت و نیز در آخر سورہ فاتحہ ذکر زمرہ مومناں و دو فرقہ کافراں بود و در آغاز سورہ بقرہ نیز ذکر زمرہ مومناں و دو فرقہ کافراں از مجاحداں و منافقاں ارشاد شدہ و نیز در سورہ فاتحہ اول از صفات الہیہ ربوبیت مذکور است و دریں سورہ نیز اول شرح ربوبیت او تعالیٰ است نسبت بنوع انسانی کہ "کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاکم" (۲/۲۸) و در " یاایھا الناس اعبدوا ربکم" (۲/۲۱) ایں معنیٰ را بطریق تمہید تفصیل مستنج نمودہ اند باز در سورہ فاتحہ انواع رحمت دینی و دنیوی است بدو اسم

سورہ فاتحہ مجمل طور پر قرآن مجید کے تمام معانی پر محیط ہے، اور سورہ بقرہ سے اس اجمال کی تفصیل کا آغاز ہوتا ہے، سورہ فاتحہ میں آیت اھدنا الصراط المستقیم میں بندہ کو ہدایت طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے تو سورہ بقرہ میں ھدی للمتقین سے لے کر اولئک علی ھدی من ربھم تک یہ وضاحت کی گئی ہے کہ دولت ہدایت سے کس قسم کے لوگ سرفراز ہوتے ہیں، سورہ فاتحہ کے اخیر میں مومنین کی جماعت کے ساتھ کافروں کے دو فرقوں کا ذکر ہوا ہے، چنانچہ سورہ بقرہ میں مومنین کی تفصیل کے ساتھ کفار کے دو طبقے بغض و عناد میں کھلے ہوئے اور منافقین کی تفصیل مذکور ہے، سورہ فاتحہ میں صفات الٰہی میں ربوبیت کا ذکر سب سے پہلے ہوا ہے، سورہ بقرہ میں آیت کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی، اور آیت یاایھا الناس اعبدوا ربکم سے اس کی تمہید کا آغاز ہوا ہے، سورہ فاتحہ میں الرحمن الرحیم دو اسماء کے ذریعہ رحمت دینی و دنیوی کو مجمل طور پر بیان کیا گیا اور سورہ بقرہ میں اس کی تفصیل بنی اسرائیل اور بنو اسمٰعیل کے

الرحمن الرحیم ارشاد شدہ و دریں سورہ تفصیل انواع رحمت دینی و دنیوی است کہ نسبت بدو فرقہ بنی اسرائیل و بنی اسمعیل از پیش گاہ حضور خداوندی عنایت شدہ باز در سورہ فاتحہ بمقدمہ جزاء بادرون "مالک یوم الدین" (۱/۳) ارشاد فرمودہ اند و دریں سورہ در ذکر بنی اسرائیل مقابل ہر کفران و عصیان ایشاں مجازات ایشاں بعقوبات دنیوی مذکور شدہ و باز در سورہ فاتحہ بیان عبادت و استعانت است و دریں سورہ از آیت " فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولاتکفرون " (۲/۱۵۲) تاآخر مسائل جہاد و حج شرح انواع عبادت است و از آیۃ "ویسئلونک عن الیتمٰی" (۲/۲۲۱) تاآخر مسائل صدقات وربوا تفصیل اقسام استعانت است و در آیۃ " آمن الرسول" (۲/۲۸۵) بیان صراط مستقیم است کہ در حقیقت بر طلب آں مطالب سورہ فاتحہ منتہی شدہ پس ایں سورہ حکم شرح سورہ فاتحہ دارد (۱)

واقعات سے کی گئی کہ ان کو حضور خداوندی میں کیسے بلند رتبے ملے، سورہ فاتحہ میں حساب و کتاب کا ذکر مالک یوم الدین سے ہوا ہے، اور اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے کفران و عصیان کے بدل میں سزا و عقاب کے ذکر سے کی گئی ہے، سورہ فاتحہ میں عبادت و استعانت کا بیان ہے، سورہ بقرہ میں آیت فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولاتکفرون سے لے کر مسائل جہاد و حج تک انواع عبادت کی شرح و تفصیل ہے، اور آیت ویسئلونک عن الیتمیٰ سے صدقات و ربوا کے مسائل تک استعانت کی توضیح کی گئی ہے، اور آیت آمن الرسول میں صراط مستقیم کا بیان ہے، اور در حقیقت انہی مطالب پر سورہ فاتحہ مشتمل ہے، تو معلوم ہوا کہ سورہ بقرہ سورہ فاتحہ کی شرح ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے آیتوں کے درمیان ربط و مناسبت کی جو تفصیلات بیان کی

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، صفحہ ۹۰۔

ہیں، وہ بھی دلچسپ ہیں، سورہ فاتحہ کی آیات " اھدنا الصراط المستقیم ٭ صراط الذین انعمت علیھم " کے درمیان ربط کی وضاحت ان کے قلم سے ملاحظہ ہو:

" جب بندہ کو یہ تعلیم دی کہ راہ راست طلب کرے تو اس کا تقاضا تھا کہ راہ یابوں کا بھی تذکرہ کر دے، تاکہ نیک و بد راہ میں امتیاز کر سکے، ورنہ ہر مذہب کے لوگ اس کے مدعی ہیں کہ ہم راہ راست پر ہیں...... چنانچہ راہ راست کی تفصیل صراط الذین انعمت علیھم کے ذریعہ بیان کی یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر انعام و اکرام ہوا، اور اس کی تفسیر سورہ نساء کی اس آیت سے ہوتی ہے " ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا " (۴/۶۹) معلوم ہوا کہ راہ راست انہی چار طبقوں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ ہے، اور بندہ کو خدا سے التجا کے وقت انہی کو نظر میں رکھنا چاہیے، اور انہی کی معیت طلب کرنی چاہیے، اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم راہ حق کی جویائی پر اور صراط الذین انعمت علیھم طلب رفیق کے موضوع پر مشتمل ہے " (۱)

سورۃ الملک اور سورہ تحریم کے درمیان ربط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وجہ ربط یہ ہے کہ سورہ تحریم میں گھریلو زندگی کے حدود و آداب مذکور ہیں کہ آدمی کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے، اور ان کی رعایت میں معاصی کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے، اور سورہ ملک میں اللہ رب العزت کی بندگی کے قواعد و آداب کی تعلیم دی گئی ہے، گویا پہلی سورہ میں ایک گھر کے انتظام کا ذکر ہے اور دوسری میں کائنات کے نظام کا تذکرہ ہے، اور اس بنا پر اسلوب کا تقاضا ہے کہ پہلے نسبتاً کم درجہ کی چیز کو بیان کیا جائے، اس کے بعد اعلیٰ درجہ کی چیز کا ذکر کیا جائے " (۲)

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، صفحہ ۱۱-۱۲ (۲) ایضاً، پارہ تبارک الذی، مطبوعہ ہوگلی، صفحہ ۲۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اکثر سورتوں کے درمیان اسی انداز سے وجوہ مناسبت تحریر کیے ہیں اور ان کے مضامین کی یکسانی دکھائی ہے، کہیں کہیں انہوں نے متعدد سورتوں کو ہم مضمون ثابت کیا ہے، چنانچہ سورہ جن کا ربط ماقبل سورتوں سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وجہ ربط ایں سورہ باسورہ نوح و ما قبلش آنست کہ در سورہ نون مذکور است کہ کافران مکہ آنحضرتؐ را باوصف کمال قرب نسب و وقوف بر احوال آنجنابؐ و اخلاق کریمہ آں عالی قبابؐ نشناختند و مجنون گفتند و در سورہ حاقہ مذکور است کہ آں اشقیاء باوجود ادعای عقل و دانش قرآن مجید را گاہے قول شاعر و گاہے قول کاہن و گاہے افتراء پیغمبرؐ می گفتند...... تا آنکہ در سورہ معارج صریح تعنت و مکابرہ ایشاں را مذکور فرمودند کہ از راہ کمال جہل عذاب درخواست می کنند و در سورہ نوح برائے تسلی آنحضرتؐ قصہ دعوت بالغہ حضرت نوحؑ در مدت ہزار سال قوم خود را بانواع ترغیب و ترہیب فہمانیدن.... حالا دریں سورہ ارشاد می شود کہ تماشائے قدرت الٰہی بہ بیں و بداں کہ مقلب القلوب وہادی حقیقی اوست قوم تو باوجود ایں اطلاع بر احوال تو و باوصف قرب نسب

سورہ جن کا ربط سورہ نوح اور اس سے ماقبل سورتوں سے یہ ہے کہ ابتداءً سورہ نون میں یہ ذکر کیا گیا کہ کفار مکہ آنحضرتؐ سے نسبی تعلق رکھنے اور آپؐ کے اخلاق کریمانہ سے واقف ہونے کے باوجود آپؐ کی عظمت و بزرگی کے قائل نہ ہوئے بلکہ نعوذ باللہ آپؐ کو مجنون کہنا شروع کیا، پھر سورہ حاقہ میں یہ بیان کیا گیا کہ یہ بدبخت عقل و دانش کے مدعی ہیں مگر قرآن مجید کو یا تو شاعر و کاہن کا کلام بتاتے ہیں یا آپؐ کا طبع زاد بتلاتے ہیں.... پھر سورہ معارج میں ان کی صریح سرکشی اور ضد کا ذکر ہوا ہے کہ یہ لوگ اپنی حد سے بڑھی ہوئی جہالت کے سبب عذاب کی تمنا کرتے ہیں، پھر سورہ نوح میں حضورؐ کی تسلی کے لیے حضرت نوحؑ کا واقعہ بیان کیا گیا کہ کس طرح انہوں نے ہزار سال تک اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے دعوت دی...... اب سورہ جن میں یہ بتایا گیا کہ قدرت الٰہی کا تماشا دیکھو کہ کفار

و جنسیت و لغت دانی و عربیت و استعداد معرفت اعجاز قرآن بادنی تامل ایں قدر گمراہ اند و مکابرہ و تعنت می کنند .... و جماعہ از جن کہ نہ ہم جنس تو اند و نہ تعبیر بشری را نیک می فہمند و نہ ترا دیدند و نہ صحبت تو رسیدند .... چہ قدر لبریز نشہ ہدایت شدند و بچہ رنگ معتقد قرآن مجید گشتند " (۱)

تو آپؐ کے ہم وطن و ہم قوم و ہم زبان ہیں اور قرآن مجید کے اعجاز کو زیادہ سمجھ سکتے ہیں مگر اس کے باوجود ان پر جہالت و گمراہی کا پردہ پڑا ہوا ہے، اس کے برعکس جنوں کی ایک جماعت جس کو نہ آپؐ سے نسبی تعلق ہے اور نہ ٹھیک سے انسانوں کی زبان کو سمجھ سکتی ہے اور نہ آپؐ کو دیکھا اور صحبت اٹھائی ہے، ان سب کے باوجود کس قدر نشہ ہدایت سے سرشار اور قرآن مجید کے گرویدہ ہیں۔

نظائر قرآن

تفسیر فتح العزیز کی تیسری خصوصیت شاہ رفیع الدین صاحب نے یہ بتائی ہے کہ اس میں قرآن مجید کے نظائر بکثرت پیش کئے گئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب القرآن یفسر بعضہ بعضا کے قائل تھے، اور اپنی تفسیر میں انہوں نے اس کا خاص اہتمام کیا ہے، قرآن مجید کو وہ اصل محکم سمجھتے تھے، اور شریعت کے تمام مآخذ کا سررشتہ اسی سے جوڑتے تھے، وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پس در حقیقت اصل محکم کہ بر ہر کس از پیغمبر و امت و مجتہد و عامی لازم الاتباع است ہمیں قرآن است و بس (۲)

در حقیقت اصل محکم جس کی پیروی ہر شخص پر واجب ہے خواہ وہ پیغمبر ہو یا امت کے افراد، مجتہد ہوں یا عام لوگ بس یہی قرآن ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے قرآن مجید کے علاوہ شرعی احکام کے دوسرے مآخذ سنت، اجماع اور قیاس کی مفصل تشریح کی ہے، اور ان کو بھی کتاب اللہ کا تابع بتایا ہے۔

تفسیر فتح العزیز میں قرآنی نظائر کے استعمال کی ایک مثال ملاحظہ ہو، لفظ تقویٰ کی

(۱) تفسیر فتح العزیز، پارہ تبارک الذی، صفحہ ۱۵۳ - ۱۵۴ (۲) ایضاً جلد اول، صفحہ ۱۰۳۔

تعریف اور اس کے استعمالات کے تحت وہ لکھتے ہیں:

"شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ کے کئی معانی ہیں:

۱۔ ایمان، جیسا کہ آیت میں ہے " والزمہم کلمۃ التقوی " (فتح - ۴۸: ۲۶)

۲۔ توبہ، جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے " ولو ان اہل القری آمنوا واتقوا " (اعراف - ۷: ۹۶)

۳۔ طاعت، اس کا استعمال اس آیت میں ہے " ان انذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون " (نحل - ۱۶: ۲)

۴۔ ترک گناہ، جس کا استعمال اس آیت میں ہوا ہے " واتوا البیوت من ابوابہا واتقوا اللہ " (بقرہ - ۲: ۱۸۹)

۵۔ اخلاص، جیسا کہ آیت میں ہے " فانہا من تقوی القلوب " (حج - ۲۲: ۳۲)

قرآن مجید میں تقویٰ کی فضیلت ان آیتوں میں بیان ہوئی ہے:

" ان اللہ مع الذین اتقوا " (نحل - ۱۶: ۱۲۸) " وتزودوا فان خیر الزاد التقوی " (بقرہ - ۲: ۱۹۷) " ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم " (حجرات - ۴۹: ۱۳)

احادیث میں بھی تقویٰ کی فضیلت بکثرت وارد ہے " (۱)

سورہ بقرہ کی آیت " ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ " کی تفسیر میں وہ رقم طراز ہیں:

سوال اول آنکہ علی سمعہم معطوف بر قلوبہم است پس داخل در تحت ختم باشد یا عطف جملہ بر جملہ است پس ہمراہ بصر داخل در حکم غشاوہ است. جواب ازیں سوال آنکہ القرآن یفسر بعضہ بعضا در جائے دیگر قرآن مجید سمع

اس آیت کے سلسلہ میں پہلا سوال تو یہ ہے کہ علی سمعہم کا عطف قلوبہم پر ہے اس لئے وہ ختم سے متعلق ہے یا جملہ کا جملہ پر عطف ہے، یعنی بصر کے ساتھ مل کر غشاوہ سے متعلق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضا،

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، صفحہ ۱۱۰۔

را در داخل حکم ختم فرموده اند نه داخل حکم غشاوه در آیت و ختم علی سمعه و قلبه و جعل علی بصره غشاوه (۱)	چنانچہ قرآن مجید نے ایک دوسرے مقام پر سمع کو غشاوہ کے بجائے ختم سے متعلق کیا ہے، وہ آیت یوں ہے: وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوہ

اس وضاحت کے بعد شاہ صاحب نے اس کی تائید میں عقلی دلائل بھی فراہم کئے ہیں۔

قصص و احکام کے اسرار تفسیر فتح العزیز کی چوتھی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں واقعات اور احکام کے اسرار و رموز بھی بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے مختلف واقعات کے اسرار بیان کئے ہیں، خاص طور پر بنی اسرائیل کے واقعات ان کے بحث و تحقیق کا موضوع رہے ہیں، اسی طرح قرآن مجید کے احکام کو بھی انہوں نے دقت نظر سے لکھا ہے، سورہ بقرہ کی تفسیر میں " ویقیمون الصلوٰۃ " کے تحت وہ لکھتے ہیں:

ویقیمون الصلوٰۃ یعنی و برپا می دارند نماز را دریں جا باید فہمید کہ نماز گزاردن چیزیست و برپا داشتن چیزی دیگر است ..... پس معنی اقامت صلوٰۃ آنست کہ نماز را از ہر خلل و کجی محافظت نمایند خواہ آں خلل و کجی در کار دل باشد یا در کار زباں یا در کار جوارح و اعضاء خواہ ایں محافظت در فرائض باشد یا در شروط یا در سنن یا در مستحبات۔ (۲)	ویقیمون الصلوٰۃ کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ نماز کو برپا کرتے ہیں، یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ نماز پڑھ لینا ایک الگ چیز ہے اور برپا کرنا دوسری چیز ہے...... اقامت صلوٰۃ کے یہ معنی ہیں کہ نماز کو ہر قسم کے خلل اور کجی سے محفوظ رکھا جائے خواہ اس کا تعلق دل سے ہو، زبان سے ہو یا اعضاء و جوارح سے، اور یہ حفاظت تمام نمازوں میں کرنی چاہیئے، خواہ فرائض ہوں یا سنن و مستحبات۔

اسی طرح شاہ صاحب نے سورہ فاتحہ کے تمام مطالب کی حکیمانہ تشریح بھی کی ہے وہ لکھتے ہیں:

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، صفحہ ۱۲۳۔ (۲) ایضاً، صفحہ ۱۱۶۔

"یہ جاننا چاہیئے کہ انسان کے دل میں شیطان تین راہوں سے داخل ہوتا ہے، شہوت، غضب اور ہوا، شہوت کو بہیمیت، غضب کو سبعیت اور ہوا کو شیطنت کہتے ہیں، اور ان میں بھی غضب شہوت کے مقابلہ میں اور ہوا غضب کے مقابلہ میں زیادہ قبیح ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ انسان شہوت کے سبب اپنے آپ پر، اور غضب کی بنا پر دوسروں پر اور ہوا کے باعث خدا پر ظلم کرتا ہے...... اس تمہید کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں جو تین اسمائے الٰہی مذکور ہیں ان سے یہ تینوں امراض ختم ہوتے ہیں، اور سورہ فاتحہ کی ساتوں آیتیں ان سے پیدا ہونے والی بد اخلاقیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہیں، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کو پہچان لے گا ہوا کی شیطانیت سے محفوظ رہے گا، اور جس کو رحمانیت کا علم نصیب ہوگا وہ غضب سے اپنے کو دور رکھے گا اور جس کو رحیمیت کی بصیرت حاصل ہوگی وہ اپنے نفس پر ظلم کرنا پسند نہ کرے گا۔

بندہ الحمد للہ کہنے کے بعد مرتبہ شکر کو پالیتا ہے چنانچہ وہ اپنے حال پر قانع و مطمئن ہوتا ہے، اور شہوت سے اپنے آپ کو پاک و صاف رکھتا ہے، ایاک نعبد ایاک نستعین کا فائدہ یہ ہے کہ پہلے جملہ سے تکبر اور دوسرے سے عجب و فخر کا خاتمہ ہوتا ہے، اور اھدنا الصراط المستقیم کہنے کے بعد وہ کفر و بدعت سے نجات پاجاتا ہے" (۱)

اسی طرح شاہ صاحب نے سورہ بقرہ میں ھدی للمتقین کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے انسانوں کے انجام کار کے اعتبار سے سات مرتبے بتائے ہیں، ان میں دو بد بخت اور پانچ نیک بخت ہیں، پھر انہوں نے قرآنی نظائر پیش کرکے ان کی تفصیلات بیان کی

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، صفحہ ۴۳۔

ہیں، اور قرآن مجید کی ہدایت کو طبقہ سعید کے پانچ فرقوں کے لئے خاص بتایا ہے (۱)۔

لطائف نظم قرآن

اس تفسیر کی پانچویں خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں نظم و ربط کے لطائف بھی بیان ہوئے ہیں، جو قدم قدم پر ملتے ہیں، سورہ فاتحہ کی آخری آیت غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کے تحت وہ رقم طراز ہیں:

نیز باید دانست کہ تقدیم مغضوب علیھم بر ضالین اشعاری دارد بآنکہ حالت آں با تباہ تر در آخرت آنہا رسوا تر اند از نسبت ضالین پس در تفسیرات رجحان جانب مغضوب علیھم را در بدمآلی رعایت باید نمود تا خلاف نظم قرآنی لازم نیاید (۲)

یہ جاننا چاہئیے کہ مغضوب علیھم کو ضالین سے پہلے جو رکھا گیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ طبقہ زیادہ بدتر اور آخرت میں ضالین کے مقابلہ میں زیادہ رسوا ہوگا، چنانچہ تفسیر میں مغضوب علیھم کی بدبختی کے غلبہ کو ملحوظ رکھنا چاہئیے تاکہ قرآنی ترتیب کی خلاف ورزی نہ ہو۔

حروف مقطعات پر بحث

مذکورہ بالا خصوصیات کے علاوہ اس تفسیر میں حروف مقطعات پر بھی عمدہ بحث کی گئی ہے، اور شاہ صاحب نے ان کے مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے، سورہ بقرہ کی پہلی آیت الم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الم اس خالص فیض سے کنایہ ہے جو عالم ناسوت میں عرف و علوم انسانی کے مطابق جلوہ گر ہے، اور اس نے تذکیر کے ذریعہ قساوت قلبی کا اور تحدی اور چیلنج کے ذریعہ فاسد اقوال اور غلط افعال کا مقابلہ کیا، اور پوری سورہ اسی اجمال کی شرح و تفصیل ہے" (۳)

شاہ صاحب نے اس بحث کے اخیر میں خود اپنی رائے یوں پیش کی ہے:

الم یعنی اصل لازم الاتباع محکم کہ

الم کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصل محکم

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول، صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۰ (۲) ایضا، صفحہ ۶۰ (۳) ایضا، صفحہ ۹۵۔

منکراں را معجزہ است و مستدلاں را مفید کہ مطالب عالیہ را بحجیج روشن ثبت است و شبہات واہیہ را مزیل و ماحی (۱)

جس کی پیروی ضروری ہے اور جو منکروں کے لئے معجزہ اور ماننے والوں کے لئے مفید اور واضح دلائل سے روشن ہے اور غلط قسم کے شبہات اور وسوسے زائل و محو کر دیتی ہے۔

تفسیر فتح العزیز میں ہندی کے بعض مروجہ الفاظ مثلاً چیلہ، پوکھر، چودھری وغیرہ کا استعمال بھی جا بجا ملتا ہے (۲)۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کو فن حدیث میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے، اور وہ اس فن کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں، مگر ان کی تفسیر کے مطالعہ سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ امام المحدثین کے پہلو بہ پہلو امام المفسرین بھی کہلائے جانے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

(۱) تفسیر فتح العزیز، جلد اول صفحہ ۱۰۲۔ (۲) ایضا، صفحات ۳۴۵، ۳۱۹۔

تذکرہ مفسرین ہند (حصہ اول)

مرتبہ: محمد عارف اعظمی عمری

ہندوستان عرصہ دراز تک اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا ہے، اور یہاں کے علماء اور اصحاب فضل و کمال کے علمی، دینی اور ثقافتی کارنامے کسی اسلامی ملک سے کم نہیں ہیں۔ دینی علوم میں تفسیر سب سے بلند پایہ علم ہے، اور شروع ہی سے اس پر مسلمانوں کی خاص توجہ رہی ہے، ہندوستانی علماء کو بھی اس فن سے بڑا شغف رہا ہے، اس لئے دارالمصنفین نے اس طبقہ کے مشاہیر کے حالات و خدمات پر تصنیفات کا ایک زریں سلسلہ شروع کیا ہے، جس کا پہلا حصہ گذشتہ برس شائع ہوا ہے۔ اس میں سولہ ہندوستانی مفسرین کے حالات اور علمی خدمات کا مرقع پیش کیا گیا ہے، اور پھر ان کی کتب تفسیر کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے، جس سے ان کی نمایاں خوبیاں اور خصوصیات سامنے آگئی ہیں۔ مفسرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

شیخ محمد بن احمد شریحی ماریکلی۔ شیخ نظام الدین الحسن بن محمد نیشاپوری۔ شیخ ابو بکر اسحاق بن تاج ملتانی۔ شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسو دراز۔ شیخ علی بن احمد مہائمی۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی، حاجی عبدالوہاب بخاری۔ شیخ حسن محمد احمد آبادی۔ شیخ مبارک ناگوری۔ شیخ یعقوب صرفی کشمیری شیخ ابوالفیض فیضی۔ شیخ منور بن عبدالحمید لاہوری۔ شیخ غلام نقش بند گھوسوی۔ ملا جیون امیٹھوی۔ شیخ علی اصغر قنوجی۔ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی۔

قیمت ۔ ۰۰=۶۰ روپے

مولانا احمد بن سلیمان الکرد الاحمد آبادیؒ

از

ڈاکٹر زبیر قریشی۔ احمد آباد

مولانا سلیمان الکرد شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ قادریہ سلسلے سے تعلق تھا اسی لیے ڈاکٹر زبید احمد نے انہیں سلیمان قادری کہا ہے۔ مولانا احمد انہیں کے فرزند تھے۔ تذکروں میں بمشکل ان کے بارے میں چند سطریں لکھی گئیں ہیں، مرأۃ احمدی اور مجرالاولیاء میں ان کا مختصر ذکر ہے اور ان کو صرف ایک ہی کتاب کا مصنف بتایا گیا ہے اور وہ ہے ان کی فیوض القدس۔ مرأۃ احمدی میں لکھا ہے:

"مولانا احمد بن سلیمان الکرد قدس سرہما اصل زاد بوم ایشان کرد است۔ والد ایشان مولانا سلیمان وارد احمد آباد گردیدند۔ از خدمت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کسب فیوضات نمودہ فاضل متبحر و صاحب تصنیف بودہ۔ ذات قدسی صفات مولانا احمد یگانۂ آفاق بودہ۔ در ہمہ علوم دست رسا داشتہ۔ حاوی فرع و اصول و جامع معقول و منقول بودند۔ در اکثر علوم تصانیف دارند۔ درین دیار علم معقول اکثر از ایشان رواج یافتہ۔ از جملہ تصانیف فیوض القدس کتابی است در علم کلام۔ از الہیات تواں گفت۔ اکثر تحصیل ایشان پیش مولانا شریف بودہ و شرح مواقف و علوم اکثر عقلیہ از مولانا ولی محمد خانو قرأت کرد

و تصوف از میاں شیخ فرید و ریاضی از شاہ قباد مخاطب بہ بدیانت خان اخذ نمودہ اجازت احادیث و بعضی علوم از والد ماجد خود مولانا سلیمان گرفتہ۔ تاریخ بیست ویکم شہر جمادی الثانی روز دوشنبہ وقت عصر بعالم قدس شتافتہ۔ مخدوم العالم مولانا شیخ نورالدین شاگرد ایشان بودند"۔

مذکورۂ بالا تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مولانا احمد وحید عصر تھے۔ تمام علوم مروجہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حاوی فرع و اصول اور جامع منقول و معقول تھے۔ اکثر علوم و فنون میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ فیوض القدس جو علم کلام و الہیات میں ہے مشہور ہے۔ مولانا شریف سے انہوں نے تحصیل علم کیا۔ علوم عقلیہ کے لیے زانوئے تلمذ ولی محمد خانو کے آگے تہ کیا۔ تصوف و احادیث علی الترتیب شیخ فرید اور اپنے والد ماجد سے اخذ کیے۔ ریاضی کا علم شاہ قباد سے سیکھا۔ ۲۱ جمادی الثانی بروز دوشنبہ رحلت فرمائی۔ سن وفات نہیں لکھا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ شیخ محمد نورالدین گجراتی کے استاد تھے۔ گجرات میں علوم عقلیہ کو زیادہ مروج انہوں نے کیا۔

مولانا احمد کردی الاصل تھے۔ لیکن ان کی ولادت احمد آباد میں ہوئی۔ مولانا محمد نورالدین گجراتی سے پورا ہندوستان واقف ہے۔ یہ سنہ ۱۰۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۵۵ھ ۹۵ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔ مولانا سلیمان الکرد تقریباً ۱۰۱۸ھ میں احمد آباد آچکے تھے۔ اس لیے مولانا احمد کی پیدائش ۱۰۳۰ھ سے قبل ہوئی ہوگی اور مولانا نورالدین نے جب ان سے پڑھنا شروع کیا تب مولانا احمد کی عمر ۳۰-۳۵ سال کی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مجرالاولیا میں حضرت مودود لالہ چشتی نے یہی باتیں کہی ہیں لیکن انکی تصنیفات

کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"بہمہ علوم اقتدار بمرتبہ کمال داشت۔ مقید بہ مذہب نبودہ خود را محقق قرار دادہ در وضو غسل و مسح راجع میکرد و مرگفت ہر دو از کلام اللہ مفہوم میگردد در اکثر علوم تصانیف داشتہ۔ و در این دیار علم معقول از ایشان رواج پیدا کرد۔ از جملہ تصانیف ایشان اسماء رجال دو جلد ضخیم است۔ در عقاید فیوض القدس از تصانیف اوست۔ و شرح بر کتب متداولہ و حواشی و تعلیقات دارند"

وہ کسی مسلک کے پابند نہ تھے۔ خود کو محقق سمجھتے تھے اور وضو میں پاؤں کا مسح بھی کرتے تھے اور انہیں دھوتے بھی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن مجید سے دونوں ثابت ہیں۔ ان کی تصانیف میں اسماء رجال پر دو ضخیم جلدیں عقاید میں فیوض القدس اور متداولہ علوم و فنون پر شرح و حاشیہ و تعلیقات شامل ہیں۔ ایک اہم بات جو فخر الاولیاء کے مصنف نے بھی کہی ہے وہ یہ کہ اس خطہ میں علوم عقلیہ کی گرم بازاری انہیں کے دم سے ہے۔

اس سلسلہ میں تذکرۃ الوجیہ میں اردو کے مشہور نقاد اور میرے استاد وارث علوی صاحب کے والد ماجد حسینی پیر صاحب نے مولانا احمد کے اساتذہ کے بارے میں ایک اقتباس نقل کیا ہے جو نہایت اہم ہے:

"فیقول الفقیر الحقیر احمد بن سلیمان عفی اللہ عنہما قراۃ عند الاستاذ المشفق المحقق مولانا محمد شریف وہو قرأ علی الاستاذ الکل قدوۃ العلماء أسوۃ العرفاء شیخ المسلمین احمد

المعروف بشیخ وجیہ الدین العلوی الگجراتی قدس اللہ سرہ وہو قرأ علی الاستاذ مولانا عماد الدین طارمی وہو قرأ علی الاستاذ المحقق مولانا جلال الدین دوانی وہو قرأ علی خواجہ حسن البقال وہو قرأ علی السید الشریف الجرجانی وہو قرأ علی محمد بن مبارک البخاری وہو قرأ علی قطب الدین الرازی وہو قرأ علی علامہ الجلبی وہو قرأ علی خواجہ نصیر الدین الطوسی"

مولانا احمد نے محمد شریف سے، انہوں نے شاہ وجیہ الدین علوی سے، انہوں نے عماد الدین طارمی سے، انہوں نے دوانی سے، انہوں نے خواجہ حسن بقال سے، انہوں نے سید شریف جرجانی سے، انہوں نے محمد بن مبارک بخاری سے، انہوں نے قطب الدین رازی سے، انہوں نے علامہ جیلی سے اور انہوں نے نصیر الدین طوسی سے علم حاصل کیا۔ گویا مولانا احمد کا تعلق بھی ملک احمد بن سپیر محمد فاروقی کی طرح درسگاہ سے تھا نہ کہ خانقاہ سے۔ موخر الذکر عقائد و فقہ و معانی و بیان کی طرف نکل گئے اور اول الذکر کلام الٰہیات اور معقولات کی طرف چل پڑے۔

کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد میں مفتاح الصلوۃ کا ایک نسخہ ہے[1]۔ یہ نسخہ خود مولف کے خط میں ہے جو انہوں نے سنہ ۱۰۶۱ھ میں مکمل کیا۔ اس کے مصنف نے اپنا نام نہیں لکھا مگر اپنے آپ کو مولانا احمد کا ماموں کہا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ کتاب شیخ احمد ہی کے لیے خاص طور پر لکھی ہے:

"تمام ساخت این رسالہ بجہت شیخ احمد بن سلیمان کہ از خواہر زادگان این

---

[1] نمبر ۴۴۹۔

فقیر است بواسطۂ صلۃ الرحم تالیف نمودہ شد۔ قال المولف تمام شد مفتاح الصلوٰۃ بید مولفہ سنۃ احدو ستین بعد الالف"

کتب خانہ پیر محمد شاہ کی کتابوں پر مولانا احمد کے نوٹ اور حواشی

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں خود مولانا احمد کا خط کئی کتابوں میں محفوظ ہے۔ ایک نسخہ[1] پر وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں:

"نقلت ھذہ المطالب مما قابلت بالسماع فی درس الاستاذ المشفق الکامل المحقق الشیخ شریف سلمہ اللہ تعالیٰ الی یوم القیامۃ علی رؤس المستفیدین وقت قرأۃ الاخ المکرم مولانا عبد الفتاح سنۃ ۱۰۶۹ھ"

گویا سنہ ۱۰۶۹ھ تک محمد شریف صاحب بقید حیات تھے۔ غالباً یہ وہی عبد الفتاح ہیں جو عبد الفتاح عسکری کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی مثنوی مولانا روم کی شرح در مکنون کے مخطوطات اکثر جگہ موجود ہیں۔

سنہ ۱۰۸۴ھ میں انہوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ کتب خانہ پیر محمد شاہ میں ایک مخطوطہ ہے "الکواکب الدراری للقسطلانی" اس پر مولانا احمد نے اپنے خط میں یہ نوٹ لکھا ہے:

قد استسعد بتملک ھذا الکتاب الشریف بالشراء الصحیح الشرعی من محمد الشامی ساکن الصفا مکۃ المشرفۃ یوم الجمعۃ الثالث من شھر الحرام المسلوک فی سنۃ اربع وثمانین والف اقل خلیقۃ اللہ المنان احمد بن سلیمان کان اللہ لھما فی کل حین ومکان بمبلغ خمسین فرشاریالا"

[1] ۴۹ و ۳/۴۶۔

ساکن صفا محمد شامی سے انہوں نے مکہ مشرفہ میں یہ نسخہ بروز جمعہ ۳ شہر حرام ۱۰۸۴ھ میں ۵۰ فرش ریال میں خرید اتھا۔

ایک اور مخطوطہ ہے اسی کتب خانے میں شرح صحیح مسلم للنووی۔ یہ بھی انہوں نے اسی سال دوسرے روز عبد اللہ نامی کسی شخص سے خریدا تھا۔ اس پر بھی انہوں نے اپنے خط میں لکھا ہے

"قد استسعد بتملک ھذا الکتاب الشریف بالشراء الصحیح الشرعی فی مکۃ المشرفہ من عبد اللہ العنانی ساکن الصفا یوم السبت رابع شھر المحرم الحرام المسلوک فی سنہ اربع وثمانین والف اضعف عباد اللہ الملک المنان اقل الخلیقۃ احمد بن سلیمان کان اللہ لھما کل حین ومکان بمبلغ خمسین فرشاریالا"

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں جام جہان نما کے دو مخطوطات ہیں جن کے حاشیہ میں کاتب نے ملا احمد کے اقتباسات بکثرت نقل کیے ہیں۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں مبحث ما انا قلت کا ایک مخطوطہ[1] ہے جس کے کاتب بارہویں صدی کے ایک بزرگ ولی اللہ ہیں، کاتب نے توشجر، شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی، ملا عبد الغفور، میر محمد ہاشم اور مولانا احمد سے منسوب اقتباسات حاشیہ میں جگہ جگہ نقل کیے ہیں

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں دوانی کی اخلاق جلالی کا ایک نسخہ ہے[2]۔ اس کے حاشیہ میں ملا احمد کی تعلیقات ہیں۔

[1] ۱۲/۲۵ تا ۲۸ [2] ۱۰/۴۶۸۔

ملا عبد الحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ نے اپنے فرزند عبد اللہ کے لیے شرح مواقف پر تعلیقات[1] لکھی ہیں۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ پیر محمد شاہ میں ہے۔ کاتب نے اس کے حاشیہ میں مولانا احمد کے نوٹس بھی شامل کیے ہیں۔ ملا عبد الحکیم مولانا احمد کے معاصر تھے۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں ایک مخطوطہ ہے حاشیہ[2] عبد الحکیم علی المقدمات الاربعہ۔ مذکور ولی اللہ نے اس کی کتابت ۱۱۰۰ھ میں کی ہے۔ یعنی مولانا احمد کے انتقال کے دس پندرہ سال کا زمانہ ہے۔ اس میں بھی حاشیہ میں کاتب نے مولانا احمد کی آراء سے استفادہ کیا ہے۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں شیخ رحمۃ اللہ سندھی کی لباب المناسک کا ایک نسخہ ہے جس کی سن کتابت[3] ۱۱۱۵ھ ہے۔ اس کے آخر میں کاتب نے کعبہ کی تعمیر، تعمیر نو اور مختلف ادوار میں توسیع کی وہ تاریخ لکھی ہے جو اس کو کسی جگہ خود مولانا احمد کے خط میں مل گئی تھی۔ بہت ممکن ہے ۱۰۸۴ھ میں فریضہ حج کے ساتھ ایسا کوئی رسالہ لکھا ہو واللہ اعلم۔ اس رسالہ کی کتابت کے وقت مولانا احمد کی وفات کو صرف چھ سال گزرے تھے۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں شرح مقاصد للمولی تفتازانی کا ایک نسخہ ہے[4]۔ کاتب نے جگہ جگہ اس کے حاشیہ میں مولانا احمد سے منسوب حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں شرح[5] حکمۃ العین کا ایک نسخہ ہے۔ یہ نسخہ مولانا احمد کا ملکیت میں رہ چکا ہے ان کے پوتے محمد رضا نے اس نسخہ کو ۱۱۴۹ھ میں خریدا تھا۔

۱؎ ۱۲/۲ ۲؎ ۱۸۳/۹ ۳؎ ۳۴/۹ ۴؎ ۱۵/۲ ۵؎ ۵۵/۱۴۔

اس کے حاشیہ میں مولانا احمد اور ان کے موصوف پوتے کے حواشی ہیں۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں عبد اللطیف گجراتی کی لطائف معنوی[1] کا ایک نسخہ ہے جو مولانا احمد کی ملکیت میں تھا۔ عبد اللطیف نے یہ کتاب ۱۰۳۲ھ میں مکمل کی ہے اور ان کی سن وفات ۱۰۴۸ھ بتائی جاتی ہے۔ مولانا احمد ان کے معاصر تھے۔ انکی اس نسخہ کی ملکیت اس نسخہ کی قدامت اور صحت پر دال ہے۔

مدرسہ کنز المرغوب میں شاہ وجیہ الدین علوی کی الحقیقۃ المحمدیہ کا ایک نسخہ ہے[2] جس کے حاشیہ میں مولانا احمد سے منسوب اقتباسات درج ہیں۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں حاشیہ کشاف[3] کا ایک نسخہ ہے۔ اس کے حاشیہ میں بعض جگہ مولانا احمد سے منسوب اقتباسات و اقوال درج ہیں۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں ایک کتاب[4] ہے جس میں چار مخطوطات ایک ساتھ مجلد ہیں۔ اس میں مولانا خیالی کے حاشیہ کے خطبہ پر کاتب نے فضلائے عصر کے خیالات بھی درج کیے ہیں۔ اس میں کاتب لکھتے ہیں کہ:

"تمت خطبۃ ھذہ الحاشیۃ وتحقیق خطبۃ حاشیۃ مولانا خیالی۔ اعلم ان المحشی المدقق فی ھذہ الحاشیہ عبارۃ عن مولانا قل احمد، والفاضل عن مولانا قرۃ کمال، وبعض الافاضل عن مولانا عصام وبعض الفضلاء عن مولانا احمد بن سلیمان سلمہما اللہ تعالیٰ"

یعنی اس حاشیہ میں جہاں محشی مدقق لکھا ہے اس سے مراد مولانا قل احمد ہیں

۱؎ ۱/۸ ۲؎ مدرسہ کنز المرغوب شہر پٹن میں ہے (شمالی گجرات) ۳؎ ۳۸/۸ ۴؎ ۲۱-۲۴/۷

فاضل سے مراد مولانا قرہ کمال ہیں، بعض الافاضل سے مراد مولانا عصام ہیں اور بعض الفضلاء سے مراد مولانا احمد بن سلیمان ہیں، سلمہ اللہ تعالیٰ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نسخہ کی کتابت مولانا احمد کی زندگی میں ہوئی ہے۔ افسوس کہ سن کتابت درج نہیں۔ لیکن اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ معاصرین انہیں نامور علماء اور فضلاء کا ہم پایہ سمجھتے تھے۔

اسی کتب خانے میں کشف الغین عن حکمۃ العین، شرح ہدایۃ الحکمۃ اور خلاصہ سیرۃ سید البشر ایسے نسخہ ہیں جن کے حاشیہ میں مولانا احمد سے منسوب اقتباسات درج ہیں۔

ابی محمد علی بن حزم الاندلسی نے فقہ میں المحلی نام کی ایک کتاب ۳۰ جلدوں میں لکھی۔ مصنف کا سن وفات ۴۵۶ھ بتایا جاتا ہے۔ بعض دوستوں کے اصرار پر مولانا احمد نے اس کے ایک باب "باب العول" پر شرح لکھی ہے۔ کتب خانہ پیر محمد شاہ میں یہ نسخہ خود مولانا احمد کے خط میں ہے اور اس پر محمد ابوبکر کی مہر ہے۔ صحابہ اور فقہا میں اس مسئلہ پر اختلاف ہے۔ بعض اس کے قائل ہیں بعض حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح اس کی نفی کرتے ہیں، مصنف نے ابن عباسؓ کے مسلک کو اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"فیقول العبد الضعیف احمد بن سلیمان کان اللہ لہما فی کل حال ومکان ھذہ مقالۃ من الکتاب المسمی بالمحلی للفاضل الفقیہ البارع المحدث ابی محمد علی بن حزم الاندلسی اوردھا التحقیق ..... فی اختلاف فی الامۃ من مسئلۃ العول ثم

شرحتها لاستدعاء بعض الخلان وسمیتہ ..... نہیں پڑھا گیا۔

فذھب جمھور الصحابۃ والفقھاء رضوان اللہ علیھم اجمعین الی ان العول فی السھام ثابت وذھب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما الی نفیہ واختار المصنف ھذا المذھب۔

کتب خانہ پیر محمد شاہؒ میں علم کلام پر ایک نسخہ ہے۔ اس میں مولانا احمد کی یہ تحریر ہے جو اہم ہے:

"فیقول العبد الضعیف احقر الخلیقۃ احمد بن سلیمان کان اللہ لہما فی کل حین ومکان ان اشرح المختصر الاصول للقاضی المحقق عضد الملۃ والدین قد انفجر منہ ینابیع التحقیق و عیون التدقیق۔ استحق ان یقال فی حقہ لایدرک الواصف خصائصہ دون شرح الشرح للعلامۃ التفتازانی والحاشیۃ للسید السند قد بلغا فی بیان مشکلاتہ واظہار اسرارہ غایۃ الامد۔

وکنت علقت علیھما فی سالف الزمان حواشی متفرقات ثم خطر ببالی فی ھذا الآوان ان اجمعھا لتصون الثقات و اجتھدت فی جمعھا ..."

یعنی عضد الدین قاضی کی مختصر اصول در اصل تحقیق و تدقیق کا سرچشمہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کوئی تعریف کرنے والا ان کے خصائص کا ادراک کما حقہ نہیں رکھتا تو

حق بجانب ہوگا۔ ہاں تفتازانی اور سید شریف اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔

پچھلے کچھ دنوں میں ان دونوں پر تعلیقات لکھ رہا ہوں جو متفرق تھے۔ ان دنوں میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ انہیں ایک جگہ جمع کردیے جائیں تاکہ منتشر ہونے سے محفوظ ہو جائیں۔ لہذا میں نے انہیں مجتمع کرنے کی یہ کوشش کی ہے۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں تفتازانی کی شرح مقاصد کا ایک نسخہ[۱] ہے۔ اس پر مولانا احمد کی یہ تحریر ہے:

"فیقول العبد الضعیف احمد بن سلیمان کان اللہ لہما فی کل حین ومکان ھذہ حواشی متعلقة بالالھیات والسمعیات من شرح المقاصد للمحقق العالم الربانی مولانا سعد الدین تفتازانی اجزل اللہ ثوابہ واحسن مآبہ کانت متفرقة فاردت جمعھا تھذیبا بقدر الامکان تبصرة للناظرین وتذکرة للاخوان۔ ثم ان استاذ اساتذنا وشیخ شیوخنا قدوة العلماء واسوة العرفاء مولانا عبد العزیز اعزہ اللہ تعالیٰ بلقائہ یوم الجزاء علق علیھا حواشی موضحة لمطالبھا وکاشفة لمغلقاتھا الا انہ لم یتفق تدوینھا جمعھا باسرھا فبقیت مکتوبة علی اطراف الکتاب ولھذا السبب ضاع بعضھا وقد نقلت فی بعض المواضع عنھا واشرت الی ماسنح فیھا۔"

---

[۱] ۱۶/۲

یعنی میرے یہ حواشی مقاصد تفتازانی کے الٰہیات وسمعیات سے متعلق ہیں جو متفرق ومنتشر تھے، میں نے انہیں حتی الامکان جمع کرنا چاہا۔ اس کے علاوہ استاذ الاساتذہ مولانا عبد العزیز صاحب نے بھی ان پر حواشی لکھے یا تعلیقات تحریر فرمائے تھے جو شرح مقاصد کے مطالب کی وضاحت اور اس کے مشکلات کے حل میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن ان سارے کے سارے حواشی و تعلیقات کی تدوین کا اتفاق نہ ہوا۔ مختلف کتابوں کے اوراق اور کناروں پر منتشر حالت میں لکھے ہوئے رہے۔ لہذا بعض تو ضایع ہوگئے۔ میں نے اپنے ان تعلیقات میں ان میں سے بعض نقل کیے ہیں اور ساتھ ہی مجھے جو سوجھا وہ درج کردیا ہے۔

مولانا احمد کی تصنیفات

۱۔ 'مختار الاختیار' ان کی ایک اور اہم تصنیف ہے یہ عام طور پر ملتی نہیں مگر حسن اتفاق سے مولانا احمد نے اپنی مشہور کتاب فیوض القدس کا ایک حصہ بنا کر اسے زیج میں مکمل نقل کردیا ہے۔ فیوض القدس میں اس موقع پر وہ یوں فرماتے ہیں:

"کنت فی مدة مدیدة متفحصا عن دلائل اکثر الفرق حتی سنح لی بفیض اللہ تعالیٰ تحقیق ماذھب الیہ الحق۔ فکتبت فی سالف الزمان فی تحقیق ھذہ المسئلة رسالة سمیتھا بمختار الاختیار واوردت فیھا تفصیل ھذہ المسئلة نمط یرتضیہ ارباب العقول فی ضمن مقدمة وخاتمة وتسعة فصول۔ فاردت ان اذکر تلک الرسالة ھھنا علی الترتیب

المسطور ازید فیہا ما افاض اللہ تعالیٰ علی فی ھذا الزمان
فقلت مستعیناً باللہ۔۔۔"

یعنی ایک مدت سے میں مختلف فرقوں کے دلائل پر غور کر رہا تھا یہاں تک کہ پروردگار عالم نے میرے دل میں وہ بات ڈال دی جو حق ہے۔ لہذا میں نے پچھلے زمانے میں اس مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام ہے "مختار الاختیار" اس مسئلہ کی تفصیل میں نے اس رسالہ میں کچھ اس طرح بیان کی ہے کہ ارباب عقول کی تسکین و ترفیہ خاطر کا موجب ہے۔ اس میں ایک مقدمہ خاتمہ اور نو فصول ہیں۔ یہاں یعنی فیوض قدس میں ان رسالہ کو اسی مسطورہ ترتیب سے نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ساتھ میں اللہ کی افاضت سے جو نئے نکات سوجھے ہیں انکا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ فیوض القدس: اس کتاب کے تین نسخے ملتے ہیں۔ ایک احمد آباد میں خانقاہ عالیہ چشتیہ میں، موجودہ سجادہ نشین کے عم بزرگوار چھوٹے صاحب[1] کے پاس ہے۔ دوسرا کلکتہ میں اور تیسرا ٹونک میں۔ راقم الحروف نے چھوٹے صاحب کے نسخہ سے استفادہ کیا ہے۔ اس کو محمد ابو بکر نے خریدا تھا۔ ۱۵ رجب بروز جمعہ ۱۱۲۱ھ میں خریدے گئے، اس نسخہ کو مولانا احمد کے پوتے محمد رضا نے بھی دیکھا تھا چونکہ ان کے خط میں یہ تحریر بھی اس پر ملتی ہے:

"کتاب فیوض القدس من مولفات الفاضل المتبحر العلامہ مولانا احمد بن سلیمان قدس سرہما"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف نے بھی اس کو دیکھا ہے۔ اس کی کتابت انکی

---

[1] انکا پورا نام محمد دریاں فاروقی چشتی ہے۔

زندگی میں ہوئی ہے اور انہوں نے بھی اپنے خط میں اِدھر اُدھر کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"فیقول الفقیر السائل من قبضہ الشامل فی الفاتحۃ حسن الخاتمۃ احقر الخلیقۃ احمد بن سلیمان کان اللہ لہما فی کل حین ومکان فہذہ فیوضات قدسیۃ وفتوحات سنیۃ فی تحقیق نبذۃ المطالب الاسنی وعدۃ من مقاصد اعلی من اثبات واجب الوجود سبحانہ وتعالیٰ وصفاتہ العلیا وغیر ذلک مما لہ علاقۃ بتلک الفوائد الحسنی رسمتہا علی ہذہ الاوراق علی احسن تقریر واوضح تحریر .... وسمیتہا بفیوض القدس وباسمہا سنۃ التالیف"

گویا فیوض القدس تاریخی نام ہے اور اس کی سن تالیف ۱۰۹۱ھ ہوئی۔ اس نسخہ پر اسی زمانے کے بعض علماء سے منسوب تقریظی شعر عربی میں درج ہیں۔

ھذا الکتاب حوی معارف حلت؛ عن ان یحیط لہا عقول الانس
الا بفیض اقدس ....؛ اسمہ یورخہ فیوض القدس

ایک اور عبارت حسب ذیل سرورق درج ہے:

"وقد اورد ھذا التاریخ فی النظم بعض افاضل بلادنا اعزاللہ فی الدارین علی ھذا النمط ھذا الکتاب المحتوی لمطالب العقائد الاسلام مصباح الدجی اعنی فیوض القدس احسن اسمہ"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کتاب کی تالیف کے ساتھ ہی اس کی شہرت آفاق گیر ہو گئی اور شہر کے علمائے وقت نے اس کی تقریظ و تاریخ میں قطعات کہے۔

اس میں کل ۱۴ مطالب ہیں جو آگے چل کر منہج، مقصد اور مبحث میں منقسم ہوئے ہیں۔

اس کی وجہ تالیف یا محرک یہ بات ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"جماعۃ من محققی متاخرین منھم الفاضل النحریر الشیخ حسین الخوناری ونحن وان لم نظفر برسالۃ مستقلۃ عنہ فی ھذا الباب لکن قد وجدنا عند بعض الطلبۃ کلامہ فنقلنا بعینہ وھو ھذا المقصد الثالث فی بیان انہ لا یلزم من کونہ عالما بالتغیرات تغیر فی علمہ ....."

شیخ حسین خوناری نے کوئی رسالہ تحریر کیا تھا۔ مولانا احمد کو وہ رسالہ مکمل تو نہ مل سکا لیکن ان کے بعض طلبہ کے پاس اس کا کچھ حصہ دستیاب ہوا۔ اسی کو انہوں نے بعینہ نقل کیا۔ تیسرا مقصد۔ خدائے تعالیٰ کے عالم تغیرات ہونے کی وجہ سے اس کے علم میں تغیر کا ہونا لازم نہیں ہوتا۔

اس کتاب میں قدم قدم پر مصنف نے بطور انکسار اور تشکر یہ جملہ لکھا ہے۔ مما افاض اللہ تعالیٰ علی عبدہ الضعیف۔ آخری عبارت اس طرح ہے:

"ولقد اودعت فی ھذا الکتاب نفائس مباحث بعضھا مما اوردت من کتب القوم وبعضھا مما افاض اللہ تعالیٰ علی بمحض لطفہ واسال اللہ تعالیٰ ان یجعلہ مقبولا فی قلوب العارفین المتمسکین بالتحقیق فی الاقوال والافعال دون التقلید بحرمۃ خیر البشر محمد وآلہ اولی العلم والاقتصاد واصحابہ ذوی الشرف":

مطلب یہ کہ انہوں نے اس کتاب میں بعض جگہ اور متکلمین کی آراء سے استفادہ

کیا ہے اور کئی جگہ ایسے نکات بیان کیے ہیں جو مبدء فیاض کے محض لطف و کرم سے ان کے دل میں القاء ہوئے اور دعا کی ہے کہ خداوند کریم اس کتاب کو مقلدین نہیں بلکہ محققین کے نزدیک مقبول بنائے بحرمۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ اولی العلم۔

کتب خانہ پیر محمد شاہ میں آٹھ مخطوطات پر مشتمل ایک مجموعہ ہے۔ یہ سب شرح ضابطہ تہذیب تفتازانی ہیں۔ خود مولانا احمد نے اپنے خط میں وضاحت کی ہے کہ شارحین یہ ہیں۔ عماد الدین طارمی۔ میر ابوالفتح۔ فاضل رومی۔ فتح اللہ شیرازی۔ السید شاہ میر۔ عبد اللہ یزدی۔ ملا حنفی اور فقیر حقیر احمد بن سلیمان۔ اس پر محمد ابوبکر کی مہر ہے۔ پہلے نسخہ کے کاتب ابی بکر بن عبد الرحمن ہیں اور اس کی سن کتابت ۸۱۱ھ ہے۔ یہ کتابت مولانا احمد کی زندگی میں ہوئی ہے چونکہ مولانا نورالدین نے انکی تاریخ وفات میں یہ مصرع کہا ہے شمعی کہ بود از انجمن علم گل شدہ = ۸۱۱ھ۔ مولانا احمد کہتے ہیں "فقد التمس منی قرۃ العین وثمرۃ الفواد الاعز الارشد الزکی ابوالسعادات السید عبد العلی بلغہ اللہ تعالیٰ بالطافہ غایۃ الآمال حین بلغ الی قراءۃ الضابطۃ التی اوردھا العلامۃ التفتازانی فی تھذیب المنطق ان اشرح لھا شرحا یکشف استارھا ویظھر اسرارھا فاجبت ...

علامہ تفتازانی کی تہذیب المنطق میں شامل ضابطہ پڑھتے وقت ان سے انکے شاگرد ابوالسعادات السید عبد العلی نے التماس کی کہ وہ اس کی شرح لکھیں تو انہوں نے قبول کر لیا۔ کاتب نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس شاگرد کا پورا نام یہ ہے ابوالسعادات السید عبد العلی بن السید امام الدین ابن السید احمد الفتنی یعنی پٹنی شمالی گجرات کے شہر پٹن کے باشندہ۔ مولانا احمد نے یہ دعویٰ کیا ہے:

۲۸ / ۴۳ / ۱۴

"اذا نظر المنصف بعین الانصاف ما اوردنا فی شرحها و تحریرها
علم قدر ما اجتهدنا فی تصحیحها ولعله لم یجد بهذه
المثابة فی کلام غیرنا من تقریرها و لقد اعرضنا عما وقع
من شروح هذه الضابطة من الاختلافات وما یرد علی شروحهم
من الاعتراضات لئلا یطول المقال و ینجر الی السآمة والملال
فان اکثر الشروح الواقعة علیها مشتملة علی الاشکال والاختلال"

یعنی اگر کوئی منصف مزاج شخص اس شرح کے ان مطالب کو انصاف کی نظر سے دیکھے جو ہم نے بیان کیے ہیں تو اسکی تصحیح میں ہم نے جو کوشش کی ہے اسکی قدر وقیمت کا اندازہ ہوگا۔ شاید اسے ہمارے علاوہ کسی اور کلام میں یہ بات نہ ملے گی۔ ضابطے کے اختلافات، اس پر اعتراضات وغیرہ جو دیگر شرحوں میں پائے جاتے ہیں ان کے ذکر سے ہم نے پرہیز کیا ہے تاکہ مقالہ طویل نہ ہو جائے اور اس کا پڑھنا بیزاری کا سبب نہ بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پر لکھی گئی اکثر شرحیں اشکال اور اختلال سے بھری پڑی ہیں۔

اس پر کاتب نے سن کتابت کے بعد لکھا ہے "اتفق الفراغ من مقابلة مع اصله المصححة علی ید المصنف فی ذالک الیوم۔

یعنی کاتب نے اپنے اس نسخہ کا مقابلہ اس روز ایک ایسے نسخہ سے کیا جسکی تصیح خود مصنف نے کی تھی۔

اس کے بعد مولانا عماد الدین بن محمد بن زین الدین الطارمی کی شرح ضابطہ ہے۔ اس کے کاتب خود مولانا احمد ہیں، عماد الدین طارمی، دوانی کے شاگرد اور

شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے استاد تھے اور احمد آباد آگئے تھے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے اس پر مولانا احمد نے لکھا ہے "من متملکات الفقیر احمد بن سلیمان"۔ اخیر میں مولانا احمد نے لکھا ہے "تمام شد شرح ضابطہ لمولانا عماد الدین طارمی استاذ العارف العلوی قدس سرہما ۲۹ محرم ۱۰۶۱ھ وقوبل بقراءة بعض الاذکیاء علی الراقم احمد بن سلیمان اواخر رجب ۱۰۸۲ھ"۔

اس کے حاشیہ میں مولانا احمد نے اپنی تعلیقات درج کی ہیں۔

اس کے بعد حاشیہ میر ابوالفتح علی ضابطة التہذیب ہے۔ جس کے آخر میں مولانا احمد نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ قوبل بقراءة بعض الاذکیاء فی اواخر رجب ۱۰۸۲ھ۔

اس کے بعد حاشیہ فاضل رومی علی ضابطہ ہے۔ مولانا احمد نے اسکی بھی شرح کی ہے اور لکھا ہے "شرح ھذا المقام من غیر مراجعة الی کتاب آخر فان فاض علیک شیئ فلا تقصر الاصلاح"۔ اس مقام کی شرح کسی دوسری کتاب سے مراجعت کیے بغیر کر دی ہے۔ اگر کسی کو۔ آپ کو۔ وہ مل جائے تو اس کی تصحیح میں تردد نہ کریں۔

اس کے بعد حاشیہ شاہ فتح اللہ شیرازی علی ضابطہ ہے۔ اس پر مولانا نے لکھا ہے کاتبہ و مالکہ احمد بن سلیمان۔ مہر بھی ہے غلام مصطفیٰ احمد بن سلیمان۔ ممکن ہے مہر کے پڑھنے میں راقم الحروف سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو۔ ایک فارسی شعر بھی درج ہے۔ بیت۔

خطت بر من جنون افزود آری　　جنوں افزای گل وا نہ بہار است

اخیر میں مولانا احمد نے لکھا ہے "وقع الفراغ من الکتابة تاریخ ۸ر شہر ربیع الثانی

۱۰۶۲ھ حررہ احمد بن سلیمان قوبل بقراۃ بعض الاذکیاء فی شعبان ۱۰۸۲ھ۔

اس کے بعد شرح ضابطہ للسید شاہ میر ہے۔ مولانا احمد نے اس کی تاریخ کتابت ۱۵ ربیع الثانی ۱۰۶۶ھ لکھی ہے۔ اخیر میں لکھتے ہیں قوبل بقراۃ بعض الاذکیاء فی شعبان ۱۰۸۲ھ۔

اس کے بعد عبداللہ یزدی کی شرح ضابطہ ہے۔ مولانا نے اس کی سن کتابت ۹ صفر ۱۰۶۵ھ لکھی ہے۔ آخر میں لکھا ہے قوبل بقراۃ بعض الاذکیاء فی شعبان ۱۰۸۲ھ۔

اس کے بعد شرح ضابطہ لمولانا حنفی ہے۔ مولانا احمد نے اسکی کتابت ۱ ذی الحجہ ۱۰۸۸ھ میں کی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولانا احمد کو ضابطہ سے غیر معمولی شغف تھا، ۱۰۶۱ھ سے ۱۰۸۸ھ تک برابر یہ کتاب ان کے مطالعہ میں رہی، مشاہیر علماء کی اس پر لکھی گئیں شرحیں وہ جمع کرتے رہے۔ اپنے ہاتھ سے نقل کرتے رہے اور اس پر اپنے حواشی بڑھاتے گئے، یہانتک کہ ۱۰۸۲ھ میں متخصص ضابطہ کی حیثیت سے اکثر طلبہ نے ان سے یہ کتاب پڑھی اور پھر اس پر حاشیہ لکھنے کی بھی استدعا کی۔ مذکورہ مجموعہ میں شامل ضابطہ اور اس کی شرح کے تمام نسخے کم از کم بیس[۲۰] پچیس[۲۵] سال تک ان کی ملکیت میں رہے۔ اس پس منظر میں مولانا احمد کا اپنی شرح کے بارے میں یہ دعوی کہ ان کے جیسی شرح کسی نے نہیں لکھی اور جو بات ان کے یہاں ہے وہ کسی شارح کے یہاں نہیں پائی جاتی، بڑا وزنی و قیع معلوم ہوتا ہے۔

(باقی)

سلجوقی دور کا نامور قصیدہ گو شاعر "ظہیر فاریابی"

از

ڈاکٹر نجم الافاق صدیقی۔ الہ آباد

(۳)

ظہیر کی قصیدہ گوئی کی خصوصیات

علامہ شبلی مرحوم نے شعر العجم میں بیان کیا ہے کہ "عرب میں مدحیہ قصائد کا انداز یہ تھا کہ تمہید میں عشقیہ اشعار ہوتے تھے جن کو تشبیب کہتے ہیں۔ پھر کسی تقریب سے ممدوح کا ذکر کرتے تھے۔ اس کو اصطلاح میں تخلص یا گریز کہتے ہیں۔ پھر مدح ہوتی تھی اور دعا پر خاتمہ ہوتا تھا۔ فارسی نے بھی سراپا اسی کی تقلید کی"۔ (شعر العجم ج ۵ ص ۷)

مولوی جلال الدین الہ آبادی مرحوم نے ان چاروں کے علاوہ ایک اور جزء کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ شاعر کا 'اظہار مدعا' یا 'عرض حال' ہے۔

'گریز' قصیدے کا بہت اہم جزء ہے جس کو اس حسن و خوبی سے لانا چاہیے کہ اس میں اور تشبیب یا تمہید میں ذرا بھی اجنبیت اور بے ربطی نہ معلوم ہو۔ جو شاعر جتنا باکمال ہوتا ہے اتنا ہی گریز کے اشعار میں اپنا کمال دکھاتا ہے۔ یعنی نئے نئے دلکش طریقے سے گریز کرتا ہے ظہیر نے بھی گریز میں عجب عجب دلکشی اور کمال دکھایا ہے۔ تمہید و گریز میں ایسا حسین ربط پیدا کیا کہ صد تحسین و آفرین کا مستحق ٹھہرا۔ ممدوح کی مدح میں بھی جدت و ندرت، نزاکتِ خیال اور رنگین بیانی دکھائی ہے۔ دعا زیادہ بالشرط ہوتی ہے۔ ظہیر نے اس میں بھی بڑا حسین پیرایہ اختیار کیا ہے۔

ظہیر کی قصیدہ گوئی کے انداز نرالے اور انوکھے ہیں۔ کچھ قصیدے اس ڈھب کے کہے ہیں کہ ابتدا ہی سے ممدوح کی مدح شروع کردی ہے، نہ تمہید ہے، نہ تشبیب، نہ گریز، صرف ممدوح کو مخاطب کرلیا ہے۔ جیسے یہ قصیدہ:

شاہا اساس ملک بتو استوار داد　　　عمر تو ہمچو دور فلک پایدار باد

(قصائد ظہیر فاریابی ص ۵۰)

اس کے ایسے قصائد "خطابیہ" کہے جاتے ہیں۔

کچھ قصیدے ایسے بھی نظم کیے ہیں جن میں ممدوح کو مخاطب بھی نہیں کیا ہے بلکہ اسکی مدح سرائی شروع کردی ہے۔ جیسے یہ قصیدہ:

شہے کہ ملک تفاخر کند بہ گوہر او　　　برید عالم غیب است رائے انور او (ص۸)

ہاں عید یا رمضان کے موقع پر قصیدہ لکھا ہے تو ان دونوں کی مبارکبادیاں دیتے ہوئے مدح وستایش کی ہے۔ ان دو قصیدوں میں:

هو العيد يسقى بكأس المدام　　　هنيئاً لمن فاق كل الأنام

شہنشاہ اعظم قزل ارسلاں　　　کہ از عدل او یافت گیتی نظام (ص ۸۶)

قدوم ماہ مبارک مبارک است بفال　　　کہ باد بر فلک بحر و بر مبارک سال

سریر بخش سلاطین اتابک اعظم　　　کہ ہست طلعت او ملک را مبارک فال (ص۳۵)

اس کے اس قسم کے قصیدوں کو "مدحیہ" کہا گیا ہے۔ کچھ قصیدے ایسے بھی کہے ہیں جن کی ابتدا کسی تمہید سے کی ہے۔ اسی لیے اس کے ایسے قصیدوں کا نام "تمہیدیہ" رکھا گیا ہے۔ تمہید میں کبھی پند و نصیحت اور دانائی و حکمت کے معانی نظم کیے ہیں جیسے اس مشہور و بے مثال قصیدے میں:

سپیدہ دم چو شدم محرم سرائے سرور　　　شنیدم آیت توبوا الی اللہ از لب حور (ص۲)

کبھی کوئی واقعہ بیان کیا ہے جیسے اس قصیدے میں:

مرا بشیر اقبال بامداد پگاہ　　　نوید عاطفت آورد ز آستانۂ شاہ

(قصائد ظہیر فاریابی ص ۷۵)

اس کا واقعہ یہ ہے کہ ظہیر نے کچھ دنوں تک بادشاہ نصرۃ الدین کی بارگاہ میں حاضری نہیں دی تھی۔ بادشاہ نے ظہیر کو طلب کیا۔ اس خوشی میں یہ قصیدہ نظم کیا۔

کبھی زمانے کے گلے شکوے لکھے ہیں جیسے قصیدۂ ذیل میں:

مرا ز دست ہنرہائے خویشتن فریاد　　　کہ دارد م بدگر گونہ ہر یکے ناشاد (ص۳۰)

کبھی بہار کے منظر کی تصویر کشی کی ہے۔ جیسے قصیدۂ ذیل میں:

سپیدہ دم چو زند ابر خیمہ در گلزار　　　گل از سراچۂ خلوت زند بہ صفۂ بار (ص۱)

کبھی کسی خاص وقت کی نقاشی کی ہے جیسے اس قصیدے میں:

چوں بریں زمیں طلیعۂ شب گشت آشکار　　　آفاق ساخت کسوت عباسیاں شعار (ص۱۵)

جس وقت بادشاہ نے بہت بڑے انعام سے نوازا تھا اس وقت ظہیر نے اس کی تہنیت میں سولہ[16] شعروں کا ایک قصیدہ فی الفور نظم کرکے پیش کردیا تھا جس کا مطلع یہ ہے:

عید شاداب درخت کہ تا سال دگر　　　از گل و میوۂ او بوئے ہمی یابی و بر (ص۴۹)

اور حیرت یہ ہے کہ یہ قصیدہ شراب کے نشے میں کھڑے کھڑے کہا تھا جیسا کہ اس کا یہ شعر ناطق ہے:

نیک دانی کہ بیک ساخت ایں نظم رہی　　　دوش بر پائے ہمی گفت شراب اندر سر (ص۵)

اس کا ایک قصیدہ اور بھی ہے جسے فی البدیہہ کہا ہے جیسا کہ علامہ شبلیؒ نے شعر العجم میں لکھا ہے:

"گوہر کی ردیف کا قصیدہ ظہیر نے فی البدیہہ لکھا تھا جبکہ اس کا ممدوح (طغان شاہ)

فیروزہ کی کان دیکھنے گیا تھا اور اس وقت قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

سحر چو تاخت ز در پائے خاوراں گوہر   زمانہ کرد بہ درج فلک نہاں گوہر

(قصائد ظہیر فاریابی ص ۴۷)

آخر میں یہ تین شعر بھی اپنی تعریف میں کہے ہیں:

قصیدۂ کہ بہ مدحِ تو گفت بندہ چو دُر   ردیف ساختش از بہر امتحاں گوہر

دریں دیار بسے شاعرانِ پر ہنر اند   کہ نور فکرت ایشاں دہد بہ کان گوہر

سزد بہ نظم چنیں گوہرے کنند قیام   ازانکہ خوب نماید بہ توأماں گوہر (ص ۴۸)

ظہیر کے قصائد اور قطعات کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے عربی فقرے بھی استعمال کیے ہیں لیکن بہت کم۔ جیسے ملک مجد الدین کے دو مدحیہ قصیدے میں:

نفسِ کل از برائے راتب رزق   بہ لباسِ خَلَقْتُہٗ بِیَدَیَّ

چنگ در دامن قضا زدہ بود   کرمت گفت الضمان عَلَیَّ

داغِ حسرت نہادہ ام بر دل   گفتہ اند آخِرُ الدَّوَاءِ الْکَیّ (ص ۹۶)

عنایتش علم ساکنانِ گردوں را   طراز اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحَافِظِیْن برزد (ص ۳۵)

آخری شعر میں قرآن کی ایک آیت مذکور ہے:

اور صدر الدین کی مدح میں:

در گوش دشمن تو قضائے بد   گفتہ نفیر خلا تَأْمَنْ

دانگہ در دماغ مطیع تو   دادہ ندا امن کہ لَا تَحْزَنْ (ص ۱۴۰)

اور طغان شاہ کے مدحیہ قصیدے میں:

شاہا طراز رایت و نقش نگینِ تو   تا روز حشر آیت نَصْرٌ مِنَ اللہ است

(قصائد ظہیر فاریابی ص ۱۰۲)

اور ملک نصرۃ الدین کے مدحیہ قصیدے میں:

هو العيد يسقى بكأس المدام   هنيئاً لمن فاق كل الأنام (ص ۸۶)

اور ملک نصرۃ الدین ہی کے مدحیہ قصیدے میں:

بر در گہِ تو امید را فال   تا آمدہ جز أصبت فالزم (ص ۱۱۸)

بعض قصائد ترکیب بند بھی کہے ہیں۔ جیسے اتابک اعظم نصرۃ الدین کا یہ مدحیہ قصیدہ:

خیز اے نگار، جشن خزاں را بساز کار   ما را بس است صورتِ روئے تو نوبہار (ص ۴)

اور ملک رکن الدین کا یہ مدحیہ قصیدہ:

عشق چوں دل سوئے جاناں می کشد   عقل را در زیر فرماں می کشد (ص ۱۳۳)

ظہیر نے کچھ قصیدوں کی زمینیں ایسی شگفتہ نکالیں یعنی بحر، قوافی و ردیف ایسے دلکش منتخب کیے کہ بعض اساتذہ کرام کو بھی ان زمینوں میں قصیدہ کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ ظہیر نے کہا:

شرحِ غمِ تو لذتِ شادی بجاں دہد   ذکرِ لب تو طعمِ شکر در دہاں دہد (ص ۲۵)

سیف الدین اسفرنگی نے کہا:

آں را کہ غمزۂ تو زکشتن اماں دہد   این ست خونبہا کہ بیاد تو جاں دہد

سلمان ساوجی نے کہا:

... ...   آبِ حیات را لب لعلت رواں دہد

ظہیر فاریابی:

تا غمزۂ تو تیر جفا در کماں نہاد   چشم تو رسم خیرہ کشی در جہاں نہاد (ص ۲۶)

سلمان ساوجی نے کہا :

دُرجِ دُرِ عقیق بست نقد جاں نہاد　　جنسے عزیز یافت بہ جائے نہاں نہاد

ظہیر :-

مراز دستِ ہنرہائے خویشتن فریاد　　کہ دارد م بہ دگر گونہ ہر یکے ناشاد

قصائد ظہیر فاریابی (ص ۳۰)

عرفی : زہر گلے کہ ہوائے دلم نقاب کشاد　　فلک بہ گلشنِ حسرت نوشت و داد بہ باد

ظہیر : سپیدہ دم چو شد محرم سرائے سرور　　شنیدم آیت توبوا الی اللہ از لب حور (ص ۲)

سلمان ساوجی : بہ دل رسید سحرگاہ در مقام حضور　　ندائے آیت استغفروا زربّ غفور

عرفی ، سپیدہ دم چو زدم آستیں بہ شمع شعور　　شنیدم آیت استفتحوا از عالم نور

ہجو گوئی کی جانب ظہیر کا رجحان نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ ہجو میں کوئی قصیدہ نظم نہیں کیا۔ ہاں کچھ قطعے ہجو میں ہیں لیکن غیر مہذب اور خارج از ادب نہیں ہیں۔ مگر انوری اور خاقانی کی ہجو گوئی تہذیب و ادب سے باہر ہے۔ ذیل کے قصیدے سے ظہیر کی ہجوگوئی کی شائستگی ناظرین ملاحظہ کریں :

شاہا عجم چو گشت مسخّر بہ تیغ تو　　لشکر بہ سوئے خواب گہِ مصطفےٰ فرست

پس کعبہ را خراب کن و نردبان بساز　　خاک حرم چو ذرہ بہ سوئے ہوا فرست

در کعبہ جام مے چہ کند در خزانہ نہ　　از بہر روضہ دو سہ گز بوریا فرست

اہل در ع بہ آتش ظلم و جفا بسوز　　واز اصحاب کہف را بہ سوئے دار دار فرست

تا کافر تمام شوی سوئے کرخ بہ تاز　　آنگہ سر خلیفہ بہ نزد خطا فرست (ص ۱۸۶)

شاعری کرتے کرتے مختلف بادشاہوں اور وزیروں کی مدح میں قصیدے لکھتے اور شاہی

دربار میں حاضری دیتے جب ظہیر کی عمر کافی گذر گئی اور مدح و ستایش کا خاطر خواہ حاصل نہیں نکلا۔ معاشی پریشانیاں ، زندگی کی الجھنیں علیٰ حالہ قائم رہیں تو شاعری کا جوش و خروش کم ہوگیا۔ اس کو لا حاصل خیال کیا اور اس سے تنفر پیدا ہوگیا۔ چنانچہ انوری کی طرح یہ بھی اسکی مذمت کرنے لگا۔ انوری نے تو اس کی مذمت میں مستقل قصیدہ کہہ ڈالا۔ لیکن ظہیر نے ذیل کے مختلف مدحیہ قصائد میں کچھ اشعار اس کی مذمت میں کہے۔ جیسا کہ بہاء الدین کے اس مدحیہ قصیدے میں :

نفرتے داشت خاطرم از شعر　　زانکہ آں نقص منصب فضلاست

غرضم مدحت تو بود ارنہ　　شاعری از کجا و بندہ کجاست

چوں تفاخر کنم بہ شعر ارچہ　　نام من در جریدۂ شعراست

شعر در نفس خویش ہم بد نیست　　تا لُمن زرخت شر کاست (ص ۱۱۶)

اور مخلص الدین کے مدحیہ قصیدے میں :

چرا بہ شعر مجرد مفاخرت بکنم　　ز شاعری چہ بر آمد جریر و اعشیٰ را

ز حساب زن آید نہ در طویلۂ مرد　　اگرچہ ہر دو صفت حاصل ست خنثیٰ را (ص ۳)

طغان شاہ کے مدحیہ قصیدے میں :

شہریارا تو منکر آں کامروز　　شعر من در زمانہ مشتہر ست

ایں نگہ کن کہ نزدِ دانشِ من　　شعر عیب ست اگرچہ آں ہنر ست (ص ۴)

ظہیر کے اشعار میں تلمیحات بھی ہیں اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ اس نے ان کی طرف اشارے اس واضح طور سے کئے ہیں کہ ذہن فوراً ان کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

عام اساتذۂ فن کی طرح ظہیر کے قصائد میں صنائع و بدائع کا زیادہ استعمال و

والتزام نہیں ہے۔ تاہم اس کے بعض قصائد میں بعض صنائع جیسے التزام، تجنیس، حسن تعلیل، الف ونشر اور اشتقاق وغیرہ موجود ہیں جو ناظرین سے پوشیدہ نہیں۔

صنائع معنوی میں سے ایک صنعت مبالغہ بھی ہے۔ اس کی چند قسمیں ہیں جن میں ایک غلو بھی ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ ایسا دعویٰ کیا جائے جس کا وجود عقلاً اور عادتاً محال ہو لیکن اگر اس غلو کو صحت سے قریب کر دینے والے لفظ سے ادا کیا جائے تو علمائے بلاغت کے نزدیک یہ مقبول ہو جاتا ہے۔ یا یہ غلو ایسا ہو جو کسی نازک و لطیف خیال کو مشتمل ہو تو بھی بلغاء کے نزدیک قابل قبول بن جاتا ہے بلکہ شعرائے عجم کے نزدیک غلو کی یہ قسم بہت پسندیدہ ہے۔

ظہیر کے اس شعر میں ایسا غلو ہے جو محض خیال بندی ہے جیسے:

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پائے　　تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد (ص ۶۵)

اس شعر کو شعرائے عجم نے پسند نہیں کیا۔ چنانچہ سعدی نے اس کے رد میں یہ شعر بوستاں میں کہا:

چہ حاجت کہ نہ کرسی آسماں　　نہی زیر پائے قزل ارسلاں

ذیل کے شعر کا غلو پسندیدہ ہے کیونکہ خیال بندی نازک خیالی کو بھی شامل ہے:

وہم ما دست بہ فتراک جلالت نہ رسد　　گرچہ نہ کرسی گردونش بہ زیر قدم ست

(ص ۹۱)

اس شعر میں ممدوح کی عظمت کے لیے فتراک (تسمۂ چرم) ثابت کرنا اور اس کی بلندی کو اس قدر مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا کہ وہم کا ہاتھ اگرچہ آسمانوں کی نو کرسیاں اپنے قدم کے نیچے رکھے ہوئے ہے اس فتراک تک نہیں پہونچ سکتا۔ یہ بہت بڑی نازک خیالی ہے اس لیے اس کا یہ شعر محبوب اور مقبول ہے۔

ظہیر کے کلام کی عظمت اور بلند پایگی کا اعتراف اس کے تذکرہ نگاروں نے بھی کیا ہے مولوی جامی، صاحب تذکرۂ آتش کدہ، دولت شاہ، صاحب تذکرۂ مجمع الفصحاء اور علامہ شبلی وغیرہ نے اس کے کلام کی لطافت و سلاست، حلاوت، اثر انگیزی، دقت آفرینی اور نازک خیالی وغیرہ کو تسلیم کیا ہے۔ ذیل میں ہم صرف علامہ شبلی کی رائے نقل کرتے ہیں:

دقت آفرینی اور خیال بندی جو متاخرین کے مخصوص اوصاف ہیں ظہیر نے ان کی بنیاد قائم کی۔ ذیل کی مثالوں سے اس کا اندازہ ہوگا:

اندیشہ کہ گم شود از لطف در ضمیر　　گردوں بہ راز باکمرت درمیاں نہاد

متاخرین نے کمر کی تعریف میں نہایت دقت آفرینیاں کی ہیں۔ یہاں تک کہ کمر کو ایک لطیف خیال، ایک باریک مضمون، ایک موہوم تخیل کہتے ہیں۔ ان سب خیالات کی اصل یہی ظہیر کا شعر ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ "معشوق کی کمر ایک لطیف خیال ہے جس کو آسمان نے چپکے سے معشوق کے کمر بند سے کہہ دیا ہے" افسوس ہے کہ "راز درمیاں نہادن" کا صحیح ترجمہ اردو میں نہیں ہو سکتا اس لیے فارسی میں جو لطافت ہے وہ ترجمہ میں جاتی رہی۔

در تنگنائے بیضہ ز تاثیر عدل او　　نقاش صنع پیکر مرغاں ستاں نہاد

"ستاں نہادن" کے معنی چت لٹانے کے ہیں۔ نقاش صنع یعنی قدرت۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کے عدل کا یہ اثر ہے کہ قدرت نے ذرا سے انڈے میں پرندوں کو چت لٹایا کہ آرام سے سوئیں۔ اس صنعت کو فارسی میں "حسن تعلیل" کہتے ہیں۔

ترکیب اور بندش میں چستی بلندی اور زور پیدا کیا چنانچہ اس وصف میں کمال اسمٰعیل اور سلمان ساوجی اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ذیل کے اشعار میں دروبست اور زور وبندش کو دیکھو:

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پائے
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

یعنی خیال جب آسمان کی نو کرسیوں کو پاؤں کے نیچے رکھ لیتا ہے تب قزل ارسلاں کی رکاب کو چوم سکتا ہے۔

سر بر نمی کنی ز تکبر مگر کہ پائے
بر آستان شاہ مظفر نہادۂ

شاہنشہ زمانہ کہ از روئے مرتبت
مسند فراز گنبد اخضر نہادۂ

شرح نعیم تو لذت شادی بجاں دہد
ذکر لب تو طعم شکر در دہاں دہد

جز زلف و عارض تو ندیدم کہ ہیچ کس
خورشید را ز ظلمت شب سائباں دہد

اے خسروے کہ حفظ تو از روئے اہتمام
گوگرد را ز صولت آتش اماں دہد

زبان میں زیادہ صفائی اور گھلاوٹ پیدا کی چنانچہ اس کے قصائد نے انوری اور خاقانی کی طرح کبھی شرح لکھنے کا احسان نہیں اٹھایا۔ اکثر نازک اور لطیف تشبیہیں ایجاد کیں۔ ماہ نو کی تشبیہ میں ظہیر کے معاصرین نے بہت زور صرف کیا اور سیکڑوں نئی نئی تشبیہیں پیدا کیں لیکن ظہیر کی نزاکت کو نہ پہونچ سکے۔

ایک قصیدہ کی تمہید اس طرح شروع کی ہے کہ جب شام ہوئی تو میں نے دیکھا کہ لاجوردی تختہ پر کسی نے خط خفی میں "نون" لکھ دیا ہے۔ یا دریا میں کشتی بہتی جاتی ہے اس طرح متعدد تشبیہیں بیان کر کے کہتا ہے کہ لوگ آپس میں بحث و نزاع کر رہے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے؟ میں عقل کے پاس گیا اور کہا یہ کون سا معشوق ہے جس کے کان کا آویزہ آسمان اڑا لایا ہے یا کسی کی قبا کی بیل تراش لی ہے۔ یا کسی معشوق کے ہاتھ کا کنگن اتار لیا ہے۔

آں شاہد از کجاست کہ ایں چرخ شوخ چشم
از گوش او برون کند ایں تغنو گوشوار
(آویزہ)

گردوں ز جامۂ کہ بریداست ایں طراز
گیتی ز ساعد کہ ربوداست ایں سوار
(کنگن)

بہار کی تعریف میں لکھتا ہے:

چمن ہنوز لب از شیر ابر ناشستہ
چو شاہداں خط سبزش دمیدہ گرد عذار

"لب از شیر ناشستن" یعنی ابھی بچے کا دودھ نہیں چھوٹا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ باغ ابھی بچہ ہے۔ یہاں تک کہ ابھی اس کے ہونٹوں پر ابر باراں کا دودھ جما ہوا ہے۔ باوجود اس کے زخطوں کی طرح اس کے چہرے پر سبزہ نکل آیا ہے[1]۔" غرض ظہیر نہایت جامع کمالات شاعر تھا۔ وہ عرصۂ دراز تک امراء و سلاطین کی مدح و ستائش میں رطب اللسان رہا۔ لیکن اخیر میں اس نے ترک دنیا اختیار کیا اور "تبریز" میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گیا (شعر العجم پنجم ص ۹) گوشہ نشینی سے پہلے اٹھارہ شعروں کا ایک مدحیہ قطعہ نظم کر کے اپنے مربی شمس الدین کے حضور میں پیش کیا جس کے بعض اشعار یہ ہیں:

خدایگان صدور زمانہ شمس الدین
ایا چو نور خرد رائے تو جہاں آرائے

ازاں زمانہ کہ جدا ماندہ ام ز درگہ تو
کہ خاک اوست چو باد بہشت روح فزائے

دیدم از سر حسرت بسے نشیب و فراز
مرا نہ دیدۂ رہ بیں نہ عقل راہ نمائے

کنوں بہ صبر و قناعت فشردہ ام دنداں
گر فرو شود ایں غصہ ہائے جانفرسائے

بس است آنکہ لگد کوب حادثات شدم
ز ننگ مدحت مشت خسیس طبع گدائے

گذشت سی[30] نفر از کاروان عمرم و من
زباں بگرد دہن در افگندہ ام چو درائے

ازیں سپس منم و کنج و کلبۂ تاریک
کہ سرد شد بدلم در ہوائے باغ و سرائے

(قصائد ظہیر فاریابی ص ۱۸۳)

مخلص الدین سید الحق کے قصیدے کے دو شعروں میں بھی اپنی گوشہ نشینی کو ذکر کیا ہے:

---

[1] شعر العجم ج ۵ ص ۹ تا ۱۱۔

زروزگار بدیں روز گشتہ ام خرسند	وداع کردہ بکلی دیار دماوی را
براں عزیمتم اکنوں کہ اختیار کنم	ہم از طریق ضرورت صلاح تقوی را

(قصائد ظہیر فاریابی ص ۲۷)

ذیل کے دو شعروں میں اپنی پرورش کی التجا کی ہے:

مرا بہ پرورد در کسب نام نیکو کوش	کہ آں ذخیرہ نماندست منی یحیی را
جزائے حسن عمل ہیں کہ روزگار ہنوز	خراب می نکند بارگاہِ کسری را

(ص ۳۹)

ظہیر کا سال وفات امین رازی مصنف ہفت اقلیم اور صاحب نتائج الافکار کے قول کے مطابق ۵۹۳ھ ہے۔ مگر علامہ شبلی کی تحقیق یہ ہے کہ اس کی وفات ۵۶۸ھ میں ہوئی اور خاقانی کے پہلو میں مدفون ہوا۔ دولت شاہ نے اس کا سنہ وفات ۵۵۰ھ لکھا ہے (شعر العجم ج ۵ ص ۹) لیکن مولوی جلال الدین الہ آبادی نے تحریر کیا ہے کہ اکثر سوانح نگاروں کا متفقہ قول یہ ہے کہ ظہیر کا انتقال ۵۹۸ھ میں ہوا۔ سرخاب تبریز کا ایک قریہ ہے۔ اس کے قبرستان میں خاقانی کی قبر کے پاس ظہیر کو دفن کیا گیا۔ یہ اور بکثرت شاعروں کا مدفن ہونے کی بنا پر "مقبرۃ الشعراء" کہلاتا ہے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖

مراجع

(۱) گنج سخن اول و دوم (۲) صنادید عجم (۳) قصائد ظہیر فاریابی مطبع انوار احمد الہ آباد (۴) تاریخ نظم و نثر ایرانی (۵) تاریخ ادبیات ایران (۶) مآثر الکرام مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لاہور ۱۹۱۳ء (۷) کلمات الشعراء مرزا محمد افضل سرخوش مدراس ۱۹۵۱ (۸) شعر العجم علامہ شبلی حصہ پنجم مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء (۹) ید بیضا غلام علی آزاد بلگرامی۔

"بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم"

از

(پروفیسر) جگن ناتھ آزاد۔ جموں

برصغیر میں ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلم شعراء کا نعت گوئی کی طرف متوجہ ہونا ایک بہت ہی پرانی روایت ہے۔

یہاں میں مختصراً بھی اس نعتیہ کلام کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جو ہندو شعراء کے قلم بلکہ دل سے نکلا اور صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کر رہا ہوں، ایک زمانے میں درگا سہائے سرور کی ایک نعت مدتوں مولود شریف کے جلسوں میں پڑھی جاتی رہی، مجھے وہ زمانہ آج بھی یاد ہے جب لاہور میں دو نعتیں بچے بچے کی زبان پر تھیں، ایک پنڈت ہری چند اختر کی نعت

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

اور دوسری مولانا ظفر علی خاں کی:

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

تصویر کا یہ رخ منشی کنہیا لال شاد کے رسالہ علم تصوف، منشی پریم چند کے افسانوں اور ناولوں اور بالخصوص ناول "کربلا" اور بشیشور پرشاد منور لکھنوی کے آیات کلام پاک کے ترجموں کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا۔

منشی روپ چند ناآتی اردو کے ایک بہت اچھا کہنے والے شاعر تھے۔ عشرت لکھنوی نے ان کا ذکر اپنے تذکرے "ہندو شعرا" میں کیا ہے۔ عشرت لکھنوی لکھتے ہیں کہ ان کی ہر غزل میں ایک نعتیہ شعر ضرور ہوتا تھا۔ ایک شعر انہوں نے درج کیا ہے:

آیا جو نام پاک محمدؐ زبان پر صلی اللہ کا شور اٹھا آسمان پر

ان کے علاوہ مشہور اور معروف شعراء میں مرزا ہرگوپال تفتہ، مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ، پیارے لال رونقؔ، چندی پرشاد شیداؔ، دوارکا پرشاد افقؔ اور مہاراج بہادر برقؔ دہلوی ایسے نام ہیں، جن کے کہے ہوئے سلام اور مرثیے آج بھی اردو ادب کی زینت ہیں۔

پرانی بات ہے میں کراچی کے ایک نعتیہ مشاعرے میں شریک ہوا۔ آخر میں میری باری آئی اور میں نے اپنی طویل نعت "ولادت با سعادت" وہاں سنائی۔ ایم۔ کیو۔ ایم کے قائد جناب الطاف حسین اس مشاعرے کے صدر تھے۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ اس مشاعرے میں پاکستان کے شعراء نے جو سب کے سب مسلمان ہیں، حضورؐ کی شان میں اپنا کلام پیش کیا ہے اور ہندوستان سے آئے ہوئے شاعر جگن ناتھ آزاد نے بھی جن کا مذہب اسلام نہیں ہے۔ اب ان دونوں کے رسول اکرمؐ کے لیے اظہار عقیدت میں یہ فرق ہے کہ مسلمان شاعروں کے لیے تو یہ ایک مذہبی فریضہ ہے۔ انہیں تو یہ فرض ادا کرنا ہی ہے لیکن جب ایک ہندو شاعر یا کوئی غیر مسلم شاعر حضورؐ کی شان میں نعتیہ کلام کہتا ہے تو وہ اپنا کوئی بندھا ٹکا مذہبی فریضہ ادا نہیں کرتا، ہاں اس بات کا اظہار اس سے

ضرور ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے مذہب کا پابند ہوتے ہوئے بھی پیغمبر اسلام کی شان میں نعت کہہ رہا ہے تو گویا وہ اس نکتے کی وضاحت کر رہا ہے کہ اپنے مذہب کے ساتھ ہی ساتھ دوسروں کے مذاہب اور بانیان مذاہب کا احترام بھی ضروری ہے اور آج دنیا کو اسی ضابطۂ اخلاق کی ضرورت ہے، دنیا اس وقت تنگ نظری، تنگ خیالی اور تعصب کے پھندے میں گرفتار ہے، عملی طور پر لوگ مذہب سے بیگانہ ہو رہے ہیں اور مذہب کے نام پر فتنہ و فساد برپا کرنے پر ہر لمحہ تیار رہتے ہیں اس لیے اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ شعراء اور دوسرے اہل قلم حضرات سامنے آئیں اور دوسرے مذاہب کے بارے میں اور ان کے بانیوں کے بارے میں وسیع المشربی کے ساتھ نظم و نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

یہ جناب الطاف حسین کی تقریر کا ایک مختصر سا اقتباس ہے۔ انکی ساری تقریر اگر ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ ہو تو اس کی مختلف میڈیا کے ذریعہ سے نشر و اشاعت کی اشد ضرورت ہے۔

میں الطاف حسین صاحب کی تقریر میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا اور اگر خود میں نے نعتیہ کلام کہا ہے تو اس کے بارے میں اس کے سوا کوئی تجزیہ نہیں کر سکتا کہ لڑکپن میں مجھے ماں باپ نے جو تعلیم دی اسی تعلیم نے مجھ سے عمر کے مختلف حصوں میں شری رام چندر جی اور شری کرشن جی کی مدح میں نظمیں کہلوائیں اور رسول مقبولؐ کی شان میں بھی۔ میری تعلیم شروع سے کچھ ایسی رہی ہے کہ اسلامیات سے متعلق کتابیں پڑھنے کا موقع مجھے زیادہ ملا۔ بعض مسائل میرے

مطالعے کی راہ میں ایسے آئے کہ مختلف مذاہب کی کتابوں کا اور مختلف بانیان مذاہب کے اقوال زریں کا مطالعہ میرے لیے ناگزیر ہوگیا، مثلاً مسئلۂ خیر و شر، مسئلۂ عقل و عشق مسئلۂ زمان و مکاں ایسے مسائل ہیں جن کو سمجھنے کے لیے یا جن کو سمجھنے کی کوشش میں اکثر مذاہب کا مطالعہ میرے لیے ضروری ہوگیا اور میں نے اس سفر میں ہر قدم پر یہ محسوس کیا کہ ہر مذہب کا مطالعہ میرے علم میں اضافہ کر رہا ہے اور مجھ پر فکر و نظر کے نئے نئے دروازے کھول رہا ہے۔ میں اسی مطالعے کے دوران میں گائتری منتر اور سورۂ فاتحہ میں مماثلت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ عمل اور نتیجۂ عمل یا زندگی اور موت کے متعلق سری کشن اور رسول اکرمؐ کے افکار کی باہمی قربت میرے لیے ایک ایسا انکشاف تھا جس سے دونوں مذاہب کا مطالعہ کیے بغیر میں آگاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اقبال نے اسرار خودی کے دیباچے میں اس موضوع پر کل روشنی ڈالی ہے اور سری کرشن کی تعلیم کو اسلامی تعلیم کہہ کر اور شیخ محی الدین اکبر کی تعلیم کو غیر اسلامی قرار دے کر اس عقدے کو وا کیا ہے کہ:

اختلافات مذاہب جملہ اوہام است و بس	یک حقیقت جلوہ گر در کفر و اسلام ست و بس
از تعصب ساغر شیخ و برہمن شد جدا	ورنہ در میخانہ یک ساقی و یک جام است و بس

اقبال کا ذکر آگیا ہے تو کفر و اسلام کے موضوع پر ان کے چند اشعار بھی سُن لیجیے اور دیکھیے کہ مشرق کے اس عظیم مفکر شاعر نے مشرق کی سوئی ہوئی روح کو کس طرح سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے:

حرفِ بد را بر لب آوردن خطا ست	کافر و مومن ہمہ خلق خدا ست
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق	می شود بر کافر و مومن شفیق

کفر و دیں در گیرد در پنہائے دل	دل اگر بگریزد از دل وائے دل

کافرے بیدار دل پیش صنم
بہ ز دینداری کہ خفت اندر حرم

حضرت نے مرے ایک شناسا سے یہ پوچھا	اقبال کہ ہے قمری شمشاد معانی
پابندیِ احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟	گو شعر میں ہے رشکِ کلیم ہمہ دانی
سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا	ہے ایسا عقیدہ اثرِ فلسفہ دانی

اقبال کے یہاں اردو اور فارسی کلام میں اور سارے دراور انگریزی نثر میں ایسی مثالیں بیسوں مل جائیں گی۔ لیکن مندرجہ بالا تحریر سے میں قاری کا انتقال ذہنی "وحدت ادیان" کی تھیوری کی جانب کرنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں۔ میں "وحدت ادیان" کی تھیوری کا قائل نہیں ہوں بلکہ اس بات کا آرزومند ہوں کہ اپنے اپنے مذاہب پر قائم رہتے ہوئے ہم دوسرے مذاہب اور بانیانِ مذاہب کا احترام کریں اور یہی وہ جذبہ ہے جو ایک غیر مسلم شاعر سے نعتیہ کلام کہلواتا ہے۔

آج کی فتنہ و فساد میں گھری ہوئی دنیا کے لوگوں کے دلوں میں اگر یہ جذبہ عام ہو جائے تو بانیان مذاہب کے بارے میں گستاخانہ لب و لہجہ والی کتابوں کا منظر عام پر آنا خود بخود ختم ہو جائے گا۔

"بہر زماں بہر زباں صلی اللہ علیہ وسلم" سے پہلے بھی نعتیہ کلام کے متعدد مجموعے شایع ہو چکے ہیں اور یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ کسی نہ کسی حد تک ان مجموعوں نے بین المذاہب یک جہتی کے راستے پر چراغ روشن کیے ہوں گے اور یقیناً ان چراغوں کی روشنی سے دنیا کے مختلف حصوں میں دلوں کی دنیا روشن ہوئی ہوگی۔

نعتیہ کلام کے محاسن نے ہماری اردو اور فارسی شاعری کے معیار کو بلندی میں کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ اس وقت چند اشعار مجھے یاد آرہے ہیں، جنھیں مثال کے طور پر میں پیش کر رہا ہوں:

اے مدنی برق و مکی نقاب   خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب
کوثر چکد از لبم بہ ایں تشنہ لبی   خاور دمد از شبم بہ ایں تیرہ شبی (نظامی گنجوی)

اے دوست ادب کہ در حریم دل ماست   شاہنشہ انبیا رسول عربی (غلام قادر گرامی)

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم   کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است (غالب)

آں تاجدار ملک دیں دارائے اقلیم یقیں   دانائے علم اولیں فرماں برش روح الامیں
عالم شدش زیر نگیں چرخش ہمی بوسد زمیں
آدم ہماں در ما و طیں او گشتہ میر انجمن (شبلی نعمانی)

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے ∴ غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر ∴ وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ
کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم ∴ وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری (اقبال)

بایں پیری رہ یثرب گرفتم   نوا خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام   کشاید پر بہ فکر آشیانہ (اقبال)

دو آں دریا کہ او را ساحلے نیست   دلیل عاشقاں غیر از دلے نیست
تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم   وگرنہ جز تو ما را منزلے نیست

ہمارے ایک محترم، معتبر اور مستند نقاد نے ایک جگہ لکھا تھا کہ نعتیہ کلام شاعری نہیں ہے، اس لیے میں نے انتہائی بلند پایہ نعتیہ شاعری کی مثالیں دینے کے لیے ان چند اشعار کا درج کرنا ضروری خیال کیا۔

آثار علمیہ و تاریخیہ

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ایک تحریرؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولف "تالیف" سے دیرینہ مراسلت کی راہ سے تعارف حاصل ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ و دعوت اور اسلام کی خدمت کا جذبہ بخشا ہے اور اسی جذبہ سے مجبور ہو کر وہ اپنی قلمی خدمات کا یہ سلسلہ شروع کر رہے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں میں برکت عنایت فرمائیں اور ان کے قلم کو جادۂ حق پر استقامت بخشیں، ہمارے نوجوانوں میں جوش کی کمی نہیں، کمی ہوش کی ہے۔ تنہا جوش سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک وہ ہوش کے تابع نہ ہو، میری تمنا ہے کہ مولف "تالیف" ان دونوں باتوں کو اپنے قلم میں یکجا کریں اور ملک و ملت کے لیے مفید بنیں۔

فقیر ہیچمداں
سید سلیمان ندوی

۱۹ محرم ۱۳۶۶ھ

ؔ معارف: جس زمانے میں حضرت سید صاحبؒ بھوپال میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے، اسی زمانے میں جناب قاضی محمد زاہد الحسینی نے وہاں سے ایک رسالہ "تالیف" کے نام سے نکالنا چاہا تھا، یہ تحریر اسی کے بارے میں ہے، جو قاضی صاحب نے پاکستان سے بھیجی ہے۔

مکتوب[1] خواجہ احمد فاروقی مرحوم

بنام

پروفیسر اختر اقبال کمالی کراچی

دہلی۔ ۲۳ر جون ۸۷ء

اختر بھائی! یہ دو نظمیں جو کل آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے بطور خاص عنایت فرمائی ہیں، لاجواب ہیں، یہ انداز فکر، یہ طرز و اسلوب مجھے اس برصغیر ہند میں کہیں نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ آپ کو تندرست اور خوش و خرم رکھے اور آپ کی محبت کا سایہ ہمارے اوپر قائم رہے۔ اس سے قبل "احساس نارسائی" نے مجھے سرمایۂ نشاط سے تونگر بنا دیا تھا اور میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس کی بدولت مجھے حجاز مقدس میں کتنی بڑی دولت حاصل ہوئی۔ پانچ برس سے یہ بات

---

[1] **معارف**: یہ مکتوب پروفیسر ظہیر احمد صدیقی (علی گڑھ) کی وساطت سے معارف میں اشاعت کے لیے ملا ہے، وہ اپنے والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں "کمالی صاحب میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں، وہ لاہور یونیورسٹی میں انگریزی کے استاد تھے، اب ریٹائر ہو کر کراچی میں مقیم ہیں، خواجہ صاحب اور کمالی صاحب کسی زمانہ میں بریلی کالج میں استاد تھے اور دونوں کی دوستی کا آغاز وہاں سے ہوا تھا۔ اس خط کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے خواجہ صاحب کے مسلک اور مذہب سے تعلق خاطر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ ان کے اسلوب کا دلچسپ نمونہ بھی نظر آئے گا" گو اس میں ظاہر کیے گئے خیالات سے ہمیں اتفاق نہیں ہے، تاہم خواجہ صاحب جیسے ادیب کی یادگار کے طور پر اسے شایع کیا جاتا ہے،

کہنا چاہتا ہوں لیکن زبان اور قلم دونوں لڑکھڑانے لگتے ہیں۔ اس وقت بھی یہ چند الفاظ بہ ہزار جبر ثقیل دل سے کھینچ کر زبان قلم تک آئے ہیں، اس نظم کی بدولت مدینہ منورہ کے قیام میں جو عنایتیں حضور سرور کائناتؐ کی میرے حال پر رہی ہیں وہ بخدائے لایزال میری ارزش اور استحقاق سے زیادہ ہیں۔ کوئی گناہ کبیرہ و صغیرہ ایسا نہیں ہے جو اس حیات مستعار میں مجھ سے سرزد نہ ہوا ہو، لیکن رحمت عالمؐ نے مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے وقت اس ننگ آفرینش کو گلے سے لگا لیا اور بطور خاص لعاب دہن مرحمت فرمایا (با من راہ نشیں بادۂ مستانہ زدند) اور مسجد نبویؐ میں ایک عرب سپاہی کو بڑے اہتمام سے میرے پاس بھیجا جس نے صاف اردو میں کہا آپ نے نماز اچھی طرح پڑھ لی؟ آپ خوش اور مطمئن ہیں؟ السلام علیک ایہا النبی السید الکریم والرسول العظیم الروف والرحیم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند ؛ وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند
چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے ؛ آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

میں یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ جمعہ کے دن کا واقعہ ہے۔ خوب دھوپ کھلی ہوئی تھی اور میں سنتیں پڑھ رہا تھا۔ امام جلال الدین سیوطیؒ، امام غزالیؒ، اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ تینوں متفق ہیں کہ حضور سرور کائناتؐ کا دیدار بیداری میں بھی ممکن ہے۔ امام غزالیؒ کے یہاں وجود مثالی کا نام وجود حسی ہے، یعنی وہ وجود جو آنکھوں میں تو آجاتا ہے لیکن خارج میں نہیں ہوتا۔ حضور سرور کائناتؐ کو بہ حالت بیداری دیکھنا بھی مثالی ہے۔

اختر بھائی! مجھے اپنی دعائے نیم شبی میں یاد رکھیے اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی۔ اور گھر پہونچ کر مجھے پابندی سے خط لکھتے رہیے۔

اس لیے کہ آپ کے اخلاق کریمانہ کا سب سے زیادہ مستحق میں ہی ہوں، مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے اور تھوڑی سی نہیں۔ بہت سی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت مند اور میرے اوپر مہربان رکھے، نظموں کے لیے ممنون احسان۔

آپ کا ارادت مند قدیم

خواجہ احمد فاروقی

یہ خط کسی طرح ختم کرنے کو جی نہیں چاہتا، مجھے حضرت شاہ عبدالرحمٰن صاحب موحد لکھنوی کے سلسلہ میں مرید ہونا چاہیے تھا لیکن میں حضرت علی میاں صاحب مدظلہ کے علم و فضل، دینداری اور خدا شناسی سے بہت متاثر ہوا اور ان ہی کے ہاتھ پر بیعت کرلی، یداللہ فوق ایدیھم۔ خ ا ف

مقدمہ رقعات عالمگیر

از پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی

اس کتاب میں اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشاء اور شاہانہ مراسلت کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں۔ بالخصوص عالمگیر کے انشاء اور اسکی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادران جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے۔ دارالمصنفین کی بڑی اہم اور بیش قیمت کتاب ہے۔

صفحات ۳۹۲ : قیمت ۶۰ روپے

وفیات

مولانا عبدالصمد شرف الدین

یہ خبر بڑے افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مولانا عبدالصمد شرف الدین نے داعی اجل کو لبیک کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

راقم نے جب عربی پڑھنی شروع کی تھی تو اسوقت اکثر عربی کتابوں پر شرف الدین الکتبی و اولادہ لکھا دیکھا، معلوم یہ ہوا کہ یہ عربی کتابوں کے بہت بڑے تاجر ہیں جن کا مکتبہ بھنڈی بازار بمبئی میں محمد علی روڈ پر ہے، اس سے اس زمانے کے تمام عربی خواں بلکہ مبتدی بھی واقف تھے۔

مولانا عبدالصمد انہی مولانا شرف الدین الکتبی کے صاحبزادے تھے جو بمبئی سے بھیونڈی آکر کتابوں کا کاروبار کرنے لگے تھے، مولانا کی ابتدائی تعلیم بمبئی کے کسی انگلش میڈیم اسکول میں ہوئی تھی، اسکی وجہ سے انہیں انگریزی پر پوری قدرت ہوگئی تھی اور عربی تو ان کے گھر ہی کی زبان تھی، عربی زبان و ادب کی کتابیں انہوں نے عرب کے مشہور ادیب و فاضل مولانا محمد سورتی سے پڑھیں، اس طرح عربی اور انگریزی میں انہیں اردو سے زیادہ مہارت حاصل تھی۔

مولانا خود اور انکے والد بزرگوار بھی عربی کتابوں کی تجارت و اشاعت کا کام کرتے تھے اسکے سلسلے میں ان لوگوں کی آمد و رفت برابر عرب ملکوں میں رہتی تھی اس لیے ان کی اکثر رشتہ داریاں بھی وہیں تھی اور ان کے خاندان کے بعض افراد عرب ملکوں ہی میں آباد ہوگئے ہیں۔

۱۹۹۲ء میں ان سطور کے راقم کو حج بیت اللہ کی سعادت میسر آئی تھی اسی موقع پر رابطۂ عالم اسلامی کے اسوقت کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، میں ڈاکٹر صاحب کو اردو سے بالکل ناواقف سمجھ کر ان سے ٹوٹی پھوٹی عربی میں بات چیت کرنے لگا، بعد میں جب معلوم ہوا کہ وہ اردو سمجھ اور بول لیتے ہیں اور مولانا عبدالصمد صاحب کے

حقیقی بھانجے ہیں تو مجھے عربی بولنے پر شرمندگی ہوئی۔

حج کے سفر میں رابطہ کے مہمان خانہ میں میرا قیام تھا، یہاں ایک صاحب کو بہت پیش پیش دیکھا، راقم پہلے سے ان سے متعارف نہیں تھا مگر وہ مجھ پر بڑے مہربان اور ہر موقع پر مدد کے لیے تیار رہتے تھے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مولانا عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے عبدالماجد صاحب ہیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

مولانا کا بڑا کارنامہ الدار القیمہ کا قیام ہے جو بھیونڈی میں عربی کتابوں کا بڑا اور اہم علمی مرکز تھا، اس کو عالمگیر شہرت نصیب ہوئی اور اس سے بڑا فیض پہونچا۔ اب بھی مولانا کی اس یادگار کو ان کی اولاد و احفاد نے باقی رکھا ہے، مولانا عبدالصمد شرف الدین نے یہاں سے متعدد مفید علمی و دینی کتابیں شایع کیں جن میں علامہ مزی کی تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف (۱۲ جلدیں) اور المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی بھی ہیں۔

مولانا کا خاندان سلفی المسلک تھا جو توحید و دین خالص پر استقامت، حمیت اسلامی اور اتباع سنت میں بہت ممتاز تھا، مولانا بھی اپنی خاندانی خصوصیات و روایات کے حامل تھے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اور انکے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ کے بڑے عاشق و گرویدہ تھے اسی تعلق سے انہوں نے اپنے ادارہ کا نام الدار القیمہ رکھا تھا، بڑے صاف گو اور نہایت جری تھے۔ حق بات کہنے میں موقع و محل کی رعایت اور کسی طرح کی مصلحت مانع نہیں ہوتی تھی، بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے بھی سچی اور کھری باتیں بے تکلف کہدیتے تھے، سنت سے انحراف کسی حال میں گوارا نہیں کرتے، نماز کا بڑا اہتمام کرتے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ طویل نماز پڑھتے، اس کی وجہ سے اکثر لوگ انکی اقتدا میں نماز پڑھنے سے گھبراتے تھے۔

مولانا نے ۹۵ برس کی طویل عمر پائی، آخر میں ہوش و حواس بجا نہیں رہ گئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین "ض"

ادبیات

اقبالؒ

جناب امین عالم راہی امروہوی

وہ اقوام مشرق کا غم کھانے والا — وہ تہذیب مغرب کو ٹھکرانے والا
وہ باطل کو آئینہ دکھلانے والا — وہ ملت کی خاطر تڑپ جانے والا

وہ تلمیذ رحماں، خودی کا پیمبر
وہ شاعر کہ ہے شاعری ختم اس پر

رموز خودی ہم کو سمجھانے والا — مضامین قرآں سے لانے والا
کلام اس کا ہر دل کو گرمانے والا — تکلم بھی تھا روح تڑپانے والا

غزل میں نیا رنگ و آہنگ لایا
غزل کو بھی اس نے مسلماں بنایا

مسلمان صدیوں سے تھا بے سہارا — تھا علم و ادب پر عجم کا اجارا
ہوا تھا غلامی سے دل پارا پارا — کیا چشم فطرت نے اس کو اشارا

مسلماں کی اس نے ڈھارس بندھائی
رگ و پے میں روح محمدؐ جگائی

خدا سے ہوا ہمکلام اللہ اللہ — یہ جرأت بہ صد احترام اللہ اللہ
دیا عشق نے کیا مقام اللہ اللہ — ہے اس کے شرف کو دوام اللہ اللہ

جو میر عرب کا اشارہ ادھر ہے

مطبوعات جدیدہ

اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت (تین حصے) از مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی مرحوم، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات جلد اول ۳۶۸، جلد دوم ۳۸۰، جلد سوم ۳۹۶، قیمت درج نہیں، جلد اول کا پتہ دارالکتب امدادیہ ۸ / ۳۳۲ عزیز آباد کراچی، باقی جلدوں کا پتہ اسلامی کتب خانہ بالمقابل جامع مسجد، بنوری ٹاؤن، کراچی ۵ پاکستان۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی مشہور کتاب خلافت وملوکیت کے مطالب و نتائج سے اختلاف کرنے کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کا یہ پختہ خیال ہے کہ اس کتاب سے بعض حضرات صحابہؓ کرام کے متعلق سوء ظن پیدا ہوتا ہے اور اس سے مرتبہ صحابیت کی عظمت و اہمیت دل میں باقی نہیں رہتی، اسی احساس کے پیش نظر متعدد اہل قلم نے اس کے رد میں مضامین و کتابیں لکھیں، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے اس کے متعلق فاضل مؤلف کا یہ بھی کہنا ہے کہ "یہ محض جواب دینے کے مقصد سے نہیں لکھی گئی بلکہ واقعات و مسائل کی تحقیق اور اہل سنت کے صحیح مسلک کا اظہار بھی ہے، اس لئے یہ تاریخ سے زیادہ عقائد و کلام کی کتاب ہے" اس کتاب کی پہلی اور دوسری جلد قریب پندرہ بیس برس پہلے شائع ہوئی تھی، تیسری جلد کے طبع اول کو بھی اب دس سال ہو چکے ہیں، معارف کو یہ تینوں کتابیں چند مہینے قبل موصول ہوئیں، اس کے کچھ عرصہ بعد فاضل مصنف کے سانحہ وفات کی خبر ملی، رحمہ اللہ، علم حدیث کے بہترین استاد ہونے کے علاوہ اسلام کے نظام سیاست پر ان کی نظر وسیع و عمیق تھی، زیر نظر کتاب سے بھی ان کے علم و فہم اور قوت استدلال و استخراج کا اندازہ ہوتا ہے، پہلی جلد میں خلافت وملوکیت کے ان ابواب کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں اسلام کے حقیقی تصور خلافت، ملوکیت کی ابتدا اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت پر اظہار رائے کیا گیا ہے، مولانا مودودی کے مآخذ کے جائزہ میں طبری و واقدی و سیوطی اور ابن اثیر و کثیر اور ابن عبد البر وغیرہ کے متعلق نہایت عالمانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے جس میں بتایا گیا کہ تاریخ اسلام کے سلسلہ میں

ان حضرات کی کسی کتاب کو نہ مستند کہا جا سکتا ہے نہ غیر مستند، یہ روایات کا ذخیرہ و مجموعہ ہے، مورخ کی شخصیت اور اصول درایت کی روشنی میں ان روایات کو متروک و مقبول قرار دیا جائے گا، یہ بحث پڑھنے کے لائق ہے، دوسری جلد میں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور خلافت حضرت علیؓ و معاویہؓ کے متعلق صاحب خلافت وملوکیت کے افکار و نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے، ایک باب میں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں اہل سنت کے مسلک کی وضاحت کی گئی ہے، اور طبری کے مذہب پر بطور خاص ایک ضمیمہ شامل کیا گیا ہے، تیسری جلد میں خلافت وملوکیت کے اس حصہ کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ کے مسلک کی ترجمانی کی گئی ہے، کتاب کے مباحث میں علم و تحقیق اور حق و انصاف کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اور اس کے مطالعہ سے حضرات صحابہؓ کرام کا دامن ہر قسم کے سوء ظن سے پاک اور ان کی پاکیزہ و ارفع زندگی کا آئینہ صاف و شفاف نظر آتا ہے، لیکن عبارتوں میں تکرار و اطناب بہت ہے، رد و ابطال میں بھی غیر ضروری جوش و شدت ہے، مولانا مودودی کو سبائی اور شیعہ کہے بغیر بھی ان کے خیالات کی تردید کی جا سکتی ہے، اس جوش و شدت سے کتاب کی علمی سنجیدگی پر جو حرف آتا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

کچھ مشرق سے کچھ مغرب سے از جناب ڈاکٹر سید نقی حسین جعفری، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، صفحات ۱۶۰، مجلد، قیمت ۱۵ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ لیمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی، ۱۱۰۰۲۵

اس کتاب کے لائق مؤلف، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ انگریزی سے وابستہ ہیں، مغربی اور انگریزی ادب کے علاوہ اردو زبان و ادب کا ان کا مطالعہ وسیع ہے، یہ کتاب اسی کا نتیجہ ہے، اس میں ان کے آٹھ مضامین، چار تبصرے اور میر و سودا اور ناصر کاظمی کی تین غزلوں کے تجزیے شامل ہیں، مضامین میں دو کا تعلق ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی کہانیوں اور تحریروں سے ہے، اقبال کے تصور مرد مومن اور فراق کی انگریزی روایت اور شہریار کے شعری سفر سے متعلق مفید تحریریں ہیں لیکن سب سے عمدہ مضامین مغربی یورپ میں فتوت کی روایت اور اس کے ماخذ اور 'طوق الحمامہ' ہیں جن میں انہوں نے اندلس مرحوم کی تہذیبی میراث کے ان اثرات کی نشاندہی کی ہے، جو انگریزی

بلکہ پورے مغربی یورپ کے ادب و تمدن میں آج بھی جاری و ساری ہیں، ابن حزم کے رسالہ طوق الحمامہ کے تعارف کے بعد لکھا گیا ہے کہ قریب چار صدیاں گذرنے کے بعد چوسر کی ایک مشہور نظم میں اس کے اثرات واضح طور پر ملتے ہیں" اور یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ گیارہویں صدی کے اختتام پر پروونس میں شروع ہونے والی عشقیہ شاعری کی روایت جو اس دور کے یورپ کی تہذیب و شائستگی کے فروغ میں انقلابی تصور کی حامل ہے، اندلس کی عربی شاعری کی مرہون منت ہے، ایک مضمون گلستان سعدی کے منظوم اردو تراجم کے عنوان سے ہے، جس میں میر شیر علی افسوس اور شاہ حسن عطا مہدوی کے منظوم اردو تراجم کا عمدہ تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، شائستہ، معتدل اور دلکش لہجہ و اسلوب ان مضامین کی نمایاں خوبی ہے۔

اردو کے چند نامور ادیب اور شاعر از جناب ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، متوسط تقطیع بہترین کاغذ و کتابت و طباعت، صفحات ۳۱۲، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۲۰۰ روپے، پتہ: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نمبر ۹ گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

اس کتاب کے فاضل مؤلف کا آبائی وطن وانم باڑی، تاملناڈو ہے، تلاش معاش میں وہ بمبئی آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے، انہوں نے ندوہ میں بھی تعلیم حاصل کی اور اس طرح لکھنؤ کے علمی و ادبی ماحول میں سانس لینے کا موقع بھی ملا، ان دونوں شہروں کے عرصہ قیام میں جن مشاہیر کو نزدیک سے دیکھا اور ان سے قربت محسوس کی ان کا ذکر وقتاً فوقتاً مضامین کے ذریعہ مختلف رسائل میں کیا، ان میں مولانا سید سلیمان ندویؒ، قاضی عبدالغفار، پروفیسر احتشام حسین، پروفیسر نجیب اشرف ندوی، عبدالقادر سروری، جاں نثار اختر، کیفی اعظمی، گپتا رضا وغیرہ شامل ہیں، پروفیسر نجیب اشرف کے ساتھ رہنے اور انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ان کو زیادہ ملا، اس لئے ان کا خاکہ بھی سب سے زیادہ دلچسپ ہے، شخصی تاثرات کے علاوہ کوشش کی گئی ہے کہ ان مشاہیر کے علمی و ادبی کارناموں کی مختصر مگر جامع روداد بھی آجائے، "آج کے مزاح نگار" اور "فیض سعدی" کا گو کتاب کے عنوان سے کلی ربط نہیں تاہم یہ مضامین بھی دلچسپ ہیں، سعدی اور فیض میں انہوں نے چند مشترک باتیں دیکھیں، شائد اسی لئے وہ سعدی کو فیض

کی محفل میں لے آئے، مولانا سید سلیمان ندویؒ کے ذکر میں انہوں نے لکھا کہ "بڑھتی ہوئی ثقافتی اور دینی مصروفیتوں نے انہیں بیمار ڈال دیا، ڈاکٹروں نے انہیں تبدیلی آب و ہوا کا مشورہ دیا، چنانچہ اسی بہانے وہ ۱۹۴۶ء میں بھوپال چلے گئے" یہ درست نہیں، دارالمصنفین سے ہجرت کے محرکات کچھ اور تھے، جن کی ایک جھلک حیات سلیمان میں دیکھی جا سکتی ہے، کتابت و طباعت اس درجہ کی ہے، تاہم چند غلطیاں رہ گئیں ہیں، جیسے سہل انکار کے بجائے سہل انگار اور ارذل کی جگہ ارزاں وغیرہ۔

اقبال نامے از جناب ڈاکٹر اخلاق اثر، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت مناسب، صفحات ۱۸۴ مجلد، قیمت ۸۰ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

علامہ اقبال اور شہر بھوپال کے تعلق سے اس کتاب کے لائق مؤلف کی چند اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اس کتاب کا پہلا اڈیشن پندرہ سال پہلے شائع ہوا تھا، اس میں انہوں نے علامہ اقبال کے ان خطوط کو یکجا کیا ہے جن کا تعلق بھوپال اور اندور سے ہے، پیش نظر طبع جدید میں چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوط کا اضافہ کیا گیا ہے، بعض کے عکس بھی دئے گئے ہیں، امید ہے کہ پہلے کی طرح اس دوسرے اڈیشن کی بھی پذیرائی ہوگی۔

حقوق و معاملات از جناب مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگری، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ اور کتابت و طباعت، صفحات ۲۶۳، قیمت ۳۵ روپے، پتہ: مکتبہ جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر، براہ پوسٹ آفس بڑھنی، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

اسلام کی تعلیمات عالیہ میں حقوق و معاملات کو جو اہمیت دی گئی اس کی عملی مثالیں تاریخ اسلام کے ہر دور میں بکثرت ملتی ہیں، اس کتاب میں والدین، زوجین، رشتہ دار، پڑوسی، مہمان، یتیم، آقا، غلام، عامی، سلطان، مسلم، غیر مسلم اور جانوروں تک کے بارے میں ایسے متعدد مسائل و واقعات کو نصیحت و عبرت و موعظت کی نیت سے جمع کر دیا گیا ہے، آسان زبان اور دلنشیں پیرایہ میں مولانا مدظلہ کی یہ کتاب ہر شخص کے مطالعہ کے لائق ہے۔

آبلے از جناب رہبر تابانی دریابادی، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ و کتابت و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات

۱۳۶، قیمت ۵۰ روپے، پتہ: رہبر تابانی، دریاباد، ضلع بارہ بنکی، یوپی۔

اس مجموعہ اشعار کے شاعر کا تعلق، مومن و تسلیم اور حسرت و شفیق جونپوری کے سلسلہ زریں سے ہے، وہ استاد فن جناب تاباں شفیقی بارہ بنکوی کے شاگرد رشید ہیں، چنانچہ ان کے کلام میں زبان و عروض کی نگہداشت کے ساتھ معنی و مطالب کی وہی پاکیزگی ملتی ہے جو اس سلسلہ عالیہ کا خاص امتیاز ہے، غزلوں میں ایک کیفیت ہے اور ان میں نوجوان شاعر کے ذاتی احساسات درد و الم کے علاوہ اس عہد کے کرب و اضطراب کی لہروں کا زیر و بم بھی ہے، وہ یاس و قنوطیت کا شکار نہیں ہیں، یہی بات اس کتاب کے سرورق کے اس شعر سے نمایاں ہے:

جو بخشتی ہے ذوق سفر کو حلاوتیں — وہ سوزش لطیف مرے آبلے میں ہے

امید ہے باذوق قارئین اس سے لطف اندوز ہوں گے۔

قصہ فرعون و موسیٰؑ جدید تحقیقات کی روشنی میں از جناب ڈاکٹر عبدالرحمن مومن صفحات ۵۰، قیمت ۲۰ روپے، پتہ: قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ویج بلڈنگ، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی۔ ۱۳

اس مختصر رسالہ میں مصر و بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ اور حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے متعلق قرآن و توراۃ کے بیانات کے بعد بعض جدید اور عصری تحقیقات کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ عہد موسیٰؑ کا فرعون کون تھا؟ اس رسالہ کے متعلق فاضل اجل ڈاکٹر حمید اللہ کا یہ قول کافی ہے کہ "یہ ایک معنیٰ میں قرآن مجید ہی کی خدمت اور وہ ایک مسائل کی تفسیر ہی ہے" بعض نادر تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

جبرئیل اُڈاری از جناب اسیر عابدی صفحات ۱۰۸، قیمت ۲۵ روپے، پتہ: اقبال اکادمی ۱۱۶۰۔ میکلوڈ روڈ۔ لاہور۔ پاکستان۔

یہ بالِ جبرئیل کا منظوم پنجابی ترجمہ ہے، اس سے پہلے لائق مترجم نے دیوان غالب کو کامیابی کے ساتھ پنجابی قالب میں منتقل کیا تھا، ڈاکٹر وحید عشرت کے دیباچے سے اس ترجمہ کی خوبیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

ع۔ ص